بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمی، فکری اور تفریحی تحریروں پر مشتمل ادبی پرچہ

جلد 1، شمارہ 3، جمادی الاخری ۱۴۴۰ھ، فروری 2019ء

اس ماہ کا آئینہ

زیرِ سرپرستی: ملک صداقت حیات

زیرِ نگرانی: مفتی تنویر الطاف، محمد ابراھیم

مدیران

محمد عکاشہ نیازیؔ، ابوالحسین آزادؔ

مجلسِ مشاورت: حارث قاضی، علی حیدر، عبدالودود احمد

کتابت: علی حیدر، تزئین: محمد نواز

ناشر: منیب الرحمٰن نظامی

whatsapp: +923075896037

website: qalamkasafar.law.blog

facebook page: Qalam ka safar

بذریعہ ڈاک تحریریں بھیجنے کا پتہ: مولانا عبدالواحد، کھجی والی مسجد لاوہ، ضلع چکوال

Email: azadabulhusain1439@gmail.com

رابطہ نمبر: 0302-5702763,0316-4074423

قیمت فی شمارہ: /25

قرآن کے سائے میں

لوگوں کے لیے ان چیزوں کی محبت خوش نما بنا دی گئی ہے جو ان کی نفسانی خواہشات کے مطابق ہوتی ہیں، یعنی عورتیں، بچے، سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے، چوپائے اور کھیتیاں۔ یہ سب دنیوی زندگی کا سامان ہے (لیکن) ابدی انجام کا حسن تو صرف اللہ کے پاس ہے۔

(آل عمران - ۱۴)

حدیث کی روشنی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت و وقعت اس کے دل سے نکل جائے گی۔ اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ کی نظروں سے گر جائے گی۔''

(اورده السيوطى برواية ابى هريرة فى ''الجامع الصغير'' 755)

مسنون دعاؤں کے حصار میں

(جب سورج نکلے تو یہ دعا پڑھیں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَقَالَنَا يَوْمَنَا هٰذَا وَ لَمْ يُهْلِكْنَا بِذُنُوْبِنَا

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں معاف فرما کر یہ دن ہمیں عطا فرمایا اور ہمیں ہمارے گناہوں کی پاداش میں ہلاک نہیں فرمایا۔''

(پرُنور دعائیں بحوالہ مسلم 2672)

سیلِ رواں

خواب نمبر

السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

میں اس دن گاڑی میں بیٹھا ہی تھا کہ فون پر تھرتھراہٹ شروع ہوگئی۔ میرا ہاتھ جیب میں رینگ گیا- موبائل باہر نکالا تو اسکرین پر نظر پڑتے ہی حیرت کا ایک جھٹکا لگا- اسکرین پر پروفیسر محمد اسلم بیگ صاحب کا نام جگمگا رہا تھا- میں نے فوراً بٹن دبا دیا اور موبائل کان سے لگا لیا- دوسری طرف سے اُن کی رس گھولتی آواز کانوں میں اتر گئی: "السلام وعلیکم"

"وعلیکم السلام" میں نے سلام کا جواب دیا-

" کیا حال ہے جی؟---"

"الحمد اللہ! آپ سنائیں؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔آپ کے ارسال کردہ رسالے مجھے ملے- ماشاء اللہ! دیکھ کر بہت خوشی ہوئی-تحاریر میں بھی کافی عمدگی نظر آرہی تھی-آپ کی یہ کاوش قابلِ تحسین ہے-ویسے جب بھی کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو 'میں حاضر ہوں۔دامے، درمے، قدمے، سخنے آپ کے ساتھ ہوں----"

"ج۔۔۔جی شکریہ۔۔۔" میں اس کے جواب میں بس اتنا ہی کہہ سکا- پھر کچھ دیر تک ان سے بات چیت جاری رہی، انہوں نے رسالے کی بہتری کے لیے کافی اچھی اچھی تجاویز بھی پیش کیں- میں غور سے ان کی بات سنتا رہا، پھر اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا-

اپنی اس ناتمام سی کاوش کی اتنی پذیرائی اور شہرت دیکھ کر میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ آپ اندازہ نہیں کرسکتے کہ مجھے کتنی زیادہ خوشی ہوئی۔ بلکہ آپ تو بہت اچھی طرح اندازہ کرسکتے ہیں۔کیوں کہ یقیناً آپ کو بھی خوشی ہوئی ہوگی۔اللہ کے فضل سے اب ہمارا رسالہ دن بدن عروج کی طرف رواں دواں ہے- خدا اسے اور ترقیاں نصیب فرمائے- آمین۔۔

دوسری بات یہ کرنی تھی کہ ہمارا ادارہ مئی، جون میں آپ حضرات کے سامنے ایک خاص نمبر لا رہا ہے جس کا عنوان ہے "خواب نمبر"- ہے نا اچھوتا نام--- زیادہ مت چونکیے---- جھلکیاں اسی شمارے میں ملاحضہ فرمائیے---"سیلِ رواں" میں ذکر کرنا اس لئے مناسب سمجھا تاکہ آپ حضرات سے کہانیوں کی فرمائش کی جاسکے----جی ہاں—فرمائش---وہ بھی اس لئے کہ آپ لوگ فوراً کہانیاں لکھنے کے لیے پر تول لیں---تاکہ آپ کو بعد میں یہ الفاظ نہ سننے کو ملیں کہ "جی، معذرت۔۔۔آپ کی تحریر تاخیر سے موصول ہوئی، اس بنا پر "خاص نمبر" کی زینت نہیں بن سکی-"اب بتائیں، کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو یہ الفاظ سننے کو ملیں؟---نہیں ناں----بس تو پھر میں بھی یہ نہیں چاہتا—اس لیے آپ کی تحریروں کا شدت سے انتظار شروع کر چکا ہوں----جی ہاں۔۔۔اور کیا؟----

محمد عکاشہ نیازی

تلقین

والفجر (۱)

سحر کے جاں افزا لمحات میں فطرت نے وہ گوہرِ نایاب دفن کر دیا ہے کہ خود خدا تعالیٰ کی ذات کا اس وقت کے بارے میں ''والفجر'' کہنا اس وقت کی قدر و منزلت کی سب سے بڑی تصدیق ہے۔ زندگی کے بحر میں غوطہ زن ہو کے جن اشخاص نے سحر خیزی سے لطف اندوزی حاصل کی۔ ان کی زندگی میں وہ نگینہ جڑ گیا ہے کہ صدیوں بعد بھی ان کے نام کے بغیر دنیا کی تاریخ ادھوری ہے۔

گذشتہ دنوں مولانا آزاد کی ''غبارِ خاطر'' زیرِ مطالعہ رہی۔ غبارِ خاطر نثر کی چاشنی اور حلاوت کی معراج ہے۔ غبارِ خاطر جہاں اولین اشیاء میں امام الہند کی انشاء کا کمال ظاہر کرتی ہے تو دوسری طرف مولانا کی سحر خیزی کو ہاتھوں میں لے کر ''والفجر'' کی تلاوت کر رہی ہے۔ میں یہاں ایک اور شخص کا ذکر کرنا چاہوں گا کہ جس کے نام کے بغیر علم و ادب کی تاریخ نامکمل ہے۔ بطورِ وزیرِ اعظم فجر اور صبح کے درمیان جامع التواریخ لکھ کر رشید الدین ہمدانی کا نام کم فرصتی کا رونا رونے والوں کے لیے کافی ہے۔ مختار مسعود ''آواز دوست'' میں لکھتے ہیں:

> ''ہمدانی نے وقت کے استعمال اور کام کی تیزی کی رفتاری کیا صول بنا رکھے تھے وہ کم سے کم فراغت میں بڑے سے بڑا کام کر سکتے تھے۔ جامع التواریخ انہوں نے وزیرِ اعظم کی حیثیت سے لکھی اور یہ علمی کام ایسے نہیں ہوا کرتے جیسے آج کل بڑے لوگ ہم زاد کے لکھے پر دستخط ثبت کر کے مصنف بن بیٹھے ہیں۔''

مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ کسی نے اپنے الفاظ اور اثرات سے قوم کو متحرک کیا تو پھر لوگ شور و غل سن کر بیدار ہوئے اور پھر دیکھا کہ ابھی کافی وقت ہے اور نیند پوری کر لی جائے۔ غزالی نے کیا خوب کہا!

؎ شورے شد واز خوابِ عدم چشم کشودیم　　دیدیم کہ باقی ست شب فتنہ غنودیم

(شور و غل بپا ہونے پر ہم خواب عدم سے عالم بیداری میں داخل ہوئے۔ عالم بیداری میں جو دیکھا کہ فتنہ اپنے شباب پر ہے تو ہم پھر لمبی تان کر سو گئے)۔

میں اس بات کا اقرار کرتا ہو کہ ہم جدت کی انتہا پر ہیں جہاں وقت کی پیمائش نینو سیکنڈز میں کی جاتی ہے اور گاڑیوں کی رفتار بندوق کی گولی کی رفتار سے زیادہ ہے۔ لیکن اصل کمال یہ ہے کہ مصروف عمل ہو کے کم سے کم وقت میں تیز رفتاری کے ساتھ کام کرنا کہ وقت کو بھی گماں نہ ہو کہ یہ کام کب اور کیسے انجام پذیر ہوا؟ سحر کے وہ لمحات کہ جن میں دنیا خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہوتی ہے۔ پتھر کو ہیرا بنانے کے لیے کافی ہیں۔ گرچہ علمی کام وقت کی بوندیں نہیں بلکہ وقت کا سمندر مانگتے ہیں۔

علی حیدر عباد

---

(۱) راقم اپنی بعض مجبوریوں اور عوارض کی وجہ سے اس مرتبہ ''تلقین'' نہ لکھ پایا۔ صدیقِ مکرم علی حیدر صاحب کی بہت بہت نوازش کہ انہوں نے جہاں مجلّے کی کتابت کی ذمہ داری کو بطریقِ احسن نبھایا وہیں اس ماہ کا اداریہ بھی سپردِ قلم فرمایا۔ (ابوالحسین آزاد)

یہ بات تو ہے...

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

’’جس شخص کو اس کے عمل نے سست کر دیا اس کا نسب اسے تیز نہیں کر سکتا۔‘‘

(مسلم، کتاب الذکر والدعا)

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

فتنہ جب آتا ہے تو بالکل حق جیسا لگتا ہے یہاں تک کہ جاہل کہتا ہے یہ تو بالکل حق ہے لیکن جب رخصت ہوتا ہے تب پتہ چلتا ہے کہ یہ تو فتنہ تھا۔ (حیاۃ الصحابہ، جلد ۳)

امام غزالی

’’تکلّف کی زیادتی محبت میں کمی کا باعث بن جاتی ہے۔‘‘

مجدد الف ثانی

’’جس شخص میں محبت غالب ہوگی اس کا درد و حزن زیادہ ہوگا۔‘‘

امام ابو حنیفہ

’’جو شخص علم کا مزاج نہیں رکھتا اس کے ساتھ علمی گفتگو کرنا گویا اسے اذیت دینا ہے۔‘‘

احسان دانش

’’بعض اوقات حالات کے سائے غموں کی دھوپ کو اور بھی تیز کر دیتے ہیں اور سینے میں اونگھتا ہوا درد دہکنے لگتا ہے۔‘‘

رشید احمد صدیقی

’’انسانی ذہن اور آئندہ نسلیں صرف اور صرف انسان کی خوبیوں ہی کو یاد رکھتی ہیں۔‘‘

آغا شورش کاشمیری

’’تحریکیں پہلے بھڑکتی پھر بھڑکائی جاتی ہیں اور پھر جب راکھ ہوتی ہیں تو ان سے کوئی شعلہ نہیں اٹھتا۔‘‘

برکلے

جو شخص سچائی کا محض اس وجہ سے انکار کر دیتا ہے کہ یہ عام لوگوں کے عقائد و نظریات کے خلاف ہے تو یقین کر لیجیے کہ ایسا آدمی یا تو نہایت کم زور، بزدل ہے یا علم سے ناواقف ہے۔

گوئٹے

’’جو سوچتے ہیں ان کے لیے دنیا طربیہ (یعنی خوشی اور مستی) ہے اور جو محسوس کرتے ہیں ان کے لیے المیہ ہے۔‘‘

کرنوں کے سوداگر

(محمد عرفان - تھوہامحرم خان)

بخارا اور سمرقند کے علوم کی نہریں رفتہ رفتہ خشک ہو رہی تھیں اور آفتابِ علوم صدیوں کی چمک کے بعد اب اپنے زرد چہرے پر تھکاوٹ کے آثار لیے ڈوب رہا تھا۔ کائنات جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے خوف زدہ تھی کہ اب ان تاریکیوں میں جس کے جی میں جو آئے گا وہ کر گزرے گا کہ اچانک آفاقِ ہندوستان سے کچھ کرنیں نمودار ہوئیں اور دیکھتے دیکھتے ہی ایک روشن سورج کی شکل اختیار کر گئیں اور پوری کائنات نور میں نہا گئی۔

وہ دہلی کی تاریخی سرزمین سے اٹھنے والا ایک مردِ قلندر تھا جسے لوگ شاہ ولی اللہ محدثِ دہلویؒ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جب اس نے اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی تو اسے ہندوستان کی سرزمین علمی اعتبار سے بنجر اور یہاں کے مذہبی پیشوا وقت کے تقاضوں سے یکسر غافل نظر آئے نے علوم کے سوتے خشک ہوتے دیکھ کر حجاز کے بحرِ زخار سے علمِ حدیث کی نہر کاٹ کر ہندوستان کی سرزمین پر نئے سرے سے جاری کر دی۔ پھر شاہ صاحبؒ کے جانے کے بعد دیوبند کے ستاروں نے نہ صرف اسے خشک ہونے سے بچایا بلکہ پوری روانی اور جوش وخروش کے ساتھ اسے انحاء عالم کی طرف روانہ کر دیا کہ جس سے ماوراء النہر کے تشنہ گاہ بھی سیراب ہو رہے ہیں۔ دیوبند کے ان سرخیلوں نے دنیا کی ظلمتوں کی بیخ کنی کرنے کے لیے مدارس دینیہ کی بنیاد رکھی۔ جہاں سے ہدایت کے متلاشی علومِ نبویہ کے چراغ لے کر حق کے راہی بنتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں محبتِ دین کے ایسے دیے جلا دیے ہیں کہ ذہن کے مجموں میں بھیڑ کی وجہ سے کھوئے سے کھویا اچھل رہا ہوتا ہے۔

بس ان کی دینی خدمات کے اعزاز کے لیے یہی کچھ کافی ہے کہ مہبط قرآن وسنت بھی اپنے دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں۔ دین کا اصول کہ اس کا شجرہ طیبہ خون سے پھلتا پھولتا ہے۔ اصحابِ نبی ﷺ نے اس کے لیے خون کی ندیاں بہا دیں۔ لیکن جب رقاب دنیا پہ خون کی بات آئی تو "فابین أن یحملنها" کا مصداق بن گئیں۔ اور جب ہندوستان کی سرزمین پہ خون کی بات آئی تو علماء خصوصاً علمائے دیوبند اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لیے میدانِ عمل میں اترے اور شجرہ اسلام کو جو عدم سیرابی کے باعث مُرجھا رہا تھا اور جھلسنے کے قریب تھا۔ اپنے جوش مارت لہوؤں سے سیراب کیا اور جب پوری کائنات کے خون خوار بھیڑیوں نے انہیں اپنے پنجے دکھائے کہ شاید ڈر جائیں اور اس شجرۃ طیبہ کی رکھوالی سے منہ پھیر لیں تو تب بھی سر پر کفن باندھ کر اس کے تحفظ کے لیے پروانہ وار آتے رہے اور جان دیتے رہے۔ آتے رہیں گے اور جان دیتے رہیں گے۔
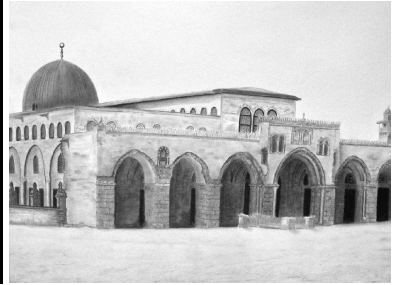
ایک ایسی تحریر جس میں لکھاری نے درد کو قلم کے ذریعے زبان دے دی ھے

دروازہ نیم وا تھا۔خالد کی ماں بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی اور اس کی چھوٹی بہن دروازہ کی چوکھٹ کے ساتھ سر ٹکائے کھلونوں کے انتظار میں بیٹھی تھی۔وہ تین بار دروازے سے باہر بھی جھانک کر دیکھ چکی تھی مگر خالد کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔خالد کو گھر سے نکلے چھ گھنٹے ہونے کو تھے جب کہ وہ ایک گھنٹے کا کہہ کر گیا تھا لیکن ابھی تک وہ نہ لوٹا۔اس کی ماں کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

یہ تین افراد پہ مشتمل ایک چھوٹا سا فلسطینی خاندان تھا۔خالد کے والد گزشتہ سال کسی اسرائیلی فوجی کی اندھی گولی کا شکار ہو کر دارِفانی سے سدھار گئے۔ان کی اِس ناگہانی موت سے خالد کی ماں کو ایک زبردست دھچکا لگا۔مگر اس نے صدمہ صبر وتحمل سے برداشت کر لیا اور اپنی ساری توجہ خالد اور اس کی بہن عمارہ کی پرورش پر مرکوز کر دی۔

خالد کی ماں اب گھر میں کپڑے سی کر گھر کا خرچہ پورا کرتی۔چنانچہ خالد کے گھریلو حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہیڈ ماسٹر صاحب نے خالد اور عمارہ کی فیس معاف کر دی۔خالد اُس وقت میٹرک میں تھا اور عمارہ چوتھی جماعت میں پڑھ رہی تھی۔

خالد نے میٹرک کا امتحان دیا اور اب نتیجے کے انتظار میں تھا۔بالآخر خالد کی شب وروز کی محنت اور اس کی والدہ کی دعائیں رنگ لائیں اور وہ فرسٹ ڈویژن سے پاس ہو گیا۔تب اس کے ہیڈ ماسٹر نے آ کے بتایا کہ پاس ہی صابن بنانے والی کمپنی میں آسامی خالی ہے۔خالد نے خوشی خوشی جا کر یہ بات اپنی والدہ کو بتلائی اور کہا کہ ''اماں جان! اب آپ کو کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں۔اب میری کمائی سے آپ سکون کی زندگی بسر کریں گی''۔یہ سن کر اس کی والدہ کی آنکھوں میں آنسو جھلملا اٹھے اور انہوں نے فرطِ مسرت سے خالد کو گلے لگا لیا۔

دوسرے دن ہیڈ ماسٹر صاحب فرم کے منیجر سے بات کر چکے تھے۔انہوں نے خالد کو انٹرویو کے لیے بلا لیا تھا۔خالد جب تیار ہو چکا تو اس نے اماں جان سے کہا: ''مجھے یقین ہے کہ آپ کی دعاؤں کی بدولت یہ نوکری مجھے ملی گی۔'' اور پھر وہ عمارہ سے بولا: ''اختی! میں واپسی پر تمہارے لیے ڈھیر سارے کھلونے لے کے آؤں گا''۔یہ سن کر عمارہ کی آنکھیں چمک اٹھیں اور خالد اماں جان کو سلام کر کے گھر سے نکل گیا۔

اور اب خالد کو گئے چھ گھنٹے ہونے کو تھے لیکن اس کا کچھ اتا پتا نہ تھا۔اس کی ماں اور بہن کئی پہروں سے بے چین تھیں۔اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔عمارہ نے لپک کر دروازہ کھولا تو سامنے انجان آدمی کھڑے تھے۔انہوں نے جو خبر سنائی وہ ایک بم کی طرح خالد کی ماں اور بہن پر گری۔ان کے مطابق جب خالد انٹرویو دینے جا رہا تھا اسرائیلی فوجیوں کا ایک جہاز بم پھینکتا وہاں سے گزرا اور خالد اس کی لپیٹ میں

آ گیا۔ پل بھر میں سب کچھ ملیامیٹ ہو گیا۔

اب تین برس گزر چکے ہیں۔ خالد کی ماں اب بھی دروازے پر اپنے لخت جگر کے قدموں کی آہٹ سننے کو بے تاب بیٹھی ہے جب کہ عمارہ کھلونوں کے انتظار میں چوکھٹ سے لگ کر بھائی کی راہ تک رہی ہے کہ شاید ایک دن اس کا بھائی خوشیوں کے کھلونے لیے گھر کے آنگن میں قدم رکھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(بقیہ: بابا نور) ہمارے گاؤں میں تو اتنی چڑیاں بھی نہیں ہوں گی۔ ایک ایک موٹر وہ وہ [۔۔۔۔۔] کہ اللہ دے اور اللہ ہی لے۔ بندہ نہ لینے میں ہے نہ دینے میں۔ بندوں کو پریوں سے کیا لینا دینا، اللہ کی قدرت یاد آ جاتی ہے، نماز پڑھنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔'' ایک سیٹھ کہہ رہا تھا کہ بس ایک اور بڑی لام لگ جائے، تو کراچی ولایت بن جائے گی۔ کہتے ہیں کتنی بار لام لگنے لگی پر لگتے لگتے رہ گئی۔ کوئی نہ کوئی بیچ میں ٹانگ اڑا دیتا ہے۔ کہتے ہیں لام میں لوگ مریں گے۔ کوئی پوچھے لام نہ لگی، تو جب بھی تو لوگ مریں گے۔ لام میں گولے سے مریں گے، ویسے بھوک سے مر جائیں گے۔ ٹھیک ہے نا'' ''ٹھیک ہی تو ہے۔'' ایک دیہاتی بولا'' پر منشی جی پہلے یہ بتاؤ کہ لفافہ اکنی کا کب کرو گے؟'' منشی نے اسے کچھ سمجھانے کے لیے سامنے دیکھا، تو اس کی نظر ایک نقطے پر جیسے جم کر رہ گئی۔ اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ بجھی ہوئی آواز میں بولا'' بابا نور آ رہا ہے۔'' سب لوگوں نے پلٹ کر دیکھا اور پھر سب کے چہرے کملا گئے۔ بچے مدرسے کے دروازوں اور کھڑکیوں میں جمع ہو کر'' بابا نور۔ بابا نور'' کی سرگوشیاں کرنے لگے۔ منشی نے انھیں ڈانٹ کر اپنی اپنی جگہ پر بٹھا دیا۔ سفید براق بابا نور سیدھا مدرسے کے برآمدے کی طرف آ رہا تھا اور لوگ جیسے سہمے جا رہے تھے۔ برآمدے میں پہنچ کر اس نے کہا'' ڈاک آ گئی منشی جی۔؟''

'' آ گئی بابا''، منشی نے جواب دیا۔'' میرے بیٹے کی چٹھی تو نہیں آئی؟'' بابا نے پوچھا۔'' نہیں بابا''، منشی بولا۔ بابا نور چپ چاپ واپس چلا گیا۔ دور تک پگڈنڈی پر ایک سفید دھبا رینگتا ہوا نظر آتا رہا اور لوگ دم بخود بیٹھے اسے دیکھتے رہے۔ پھر منشی بولا'' دس سال سے بابا نور اسی طرح آ رہا ہے۔ یہی سوال پوچھتا اور یہی جواب لے کر چلا جاتا ہے۔ بے چارے کو یہ یاد ہی نہیں رہا کہ سرکار کی وہ چٹھی بھی تو میں نے ہی اسے پڑھ کر سنائی تھی۔ اس میں خبر تھی کہ بابا کا بیٹا برما میں بم کے گولے کا شکار ہو چکا۔ جب سے وہ پاگل سا ہو گیا ہے۔ مگر خدا کی قسم ہے دوستو، اگر آج کے بعد وہ پھر بھی میرے پاس یہی پوچھنے آیا، تو مجھے بھی پاگل کر جائے گا۔''

واصف علی واصف نے کہا: ''خوش نصیب وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش ہے۔''

''مغرب کا مقابلہ کرنا ہے تو خود کو مشرق کی طرح روشن کرنا ہوگا''

''انسان کے آنسو اس دنیا میں کسی اور دنیا کے سفیر ہیں۔''

''انسان خوش رہنے کے کماتا ہے اور کمانے کے لیے افسردہ رہتا ہے۔'' (مُرسِلہ: عثمان علی ۔ ڈھلی)

کاشف امین ۔ ملازئی، ٹانک

توتلے لہجے
(نوخیز ادیبوں کے قلم سے۔۔۔۔)

مرغ کا انجام

ہمارے دادا جان مرحوم ایک مرتبہ جاپان کے دورے پر گئے۔ واپس آئے تو ایک بہت بڑا ڈبہ ساتھ لائے۔ ڈبے میں ہلکے ہلکے سوراخ بھی نظر آرہے تھے۔ ہم سب نے پُر اشتیاق دادا جان سے اصرار کیا کہ اس ڈبے کو کھولا جائے چناں چہ جب ڈبہ کھولا گیا تو اندر سے ایک لمبے جسم کا مرغا ''ککڑوں کوں'' کر کے باہر نکلا۔ اُس کے جسم پر سفید دھاریاں تھیں اور جسم بالکل فٹ فاٹ ۔۔۔ قد میں تو کسی بڑے کتے کی مانند دکھائی دیتا تھا۔ دادا جان نے مرغا ہمارے حوالے کیا اور اس مرغ کا خیال رکھنے کو کہا۔ شروع میں کچھ دن تو مرغا ٹھونگیں مارتا رہا مگر جب ہم اسے باقاعدگی سے دانہ دنکا، بادم، اخروٹ اور خشک میوہ جات دیتے رہے تو وہ ہم سے مانوس ہوتا چلا گیا۔ رفتہ رفتہ خوراک نے اسے ایسا چت بنا دیا کہ وہ کتوں سے لڑائی دے کر انہیں مات دینے لگا۔ راہ گیروں کے پیچھے دوڑنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ جب مرغی خانے میں جگہ کم پڑ گئی تو اسے ڈیری فارم میں گائے بھینسوں کے ساتھ باندھنا پڑا۔ رات کو مرغا پورے محلے کی چوکیداری کرتا تھا اور صبح جب وہ اذان دیتا تو اس کی آواز سن کر پورا محلّہ بیدار ہو جاتا۔ ایک مرتبہ ایک چور چوری کی نیت سے ایک صاحب کے گھر میں گھس آیا۔ مرغ نے جب اسے گھستے دیکھا تو وہ ہنگامہ بپا کیا کہ چور پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ مرغ نے چور کو اپنے مضبوط پنجوں میں دبوچ لیا۔ وہ زور لگاتا رہا مگر چھڑائے نہ چھوٹتا۔ پھر پولیس کی آمد پر ہی اس بے چارے کو مرغ کے پنجوں سے رہائی ملی۔

ایک اور رات بھی ہمارے پڑوس چچا فیضو کی بکریوں پر بھیڑیئے نے حملہ کر دیا۔ مرغ نے دیکھا تو بھیڑیئے پر پل پڑا۔ اسے وہ مار ماری کہ دن میں تارے دکھائی دینے لگے۔ بھیڑیا بے چارہ بے دَم ہو کر وہاں سے نکلا۔ اُس رات مرغ کو کافی تھپکیاں ملیں۔ پھر وقت نے رفتار پکڑی اور مرغ کی جوانی کا سورج میں ڈھلنے لگا۔ ایک دن یونہی وہ بھینسے کے ساتھ فٹبال کھیل رہا تھا۔ کہ پیٹ میں سخت درد اٹھا۔ فوراً ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کو لاعلاج قرار دے دیا۔ تب ابا جان نے فیصلہ کیا کہ مرغے کو حلال کر دیا جائے۔ چنانچہ بیس قصائیوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مرغے کو ایک عدد رسے سے باندھا گیا اور پھر قصائیوں نے اس کے گلے پر چھری چلا دی۔ وہ ذبح ہو گیا۔ اس کے گوشت سے پورے گاؤں کی دعوت کی گئی۔ غریبوں میں بھی کافی گوشت تقسیم کیا گیا۔ پھر بھی جو گوشت بچ گیا اسے روسٹ کر کے اسکول کے بچوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مرغے کی ران کی ہڈی کو بطور چھت کا گاڈر استعمال کیا گیا اور پروں سے چھت کا اوپری حصہ ڈھانپا گیا۔ آخر میں اس کی کھال کو ہم نے ایک مدرسے میں وقف کر دیا۔ اور یوں ایک مرغ اپنے انجام کو پہنچا دیا گیا۔

توتلے لہجے۔۔نوخیز ادیبوں کے قلم سے

اچھے اخلاق

محمد سعد عبدالوحید۔کبیر والا
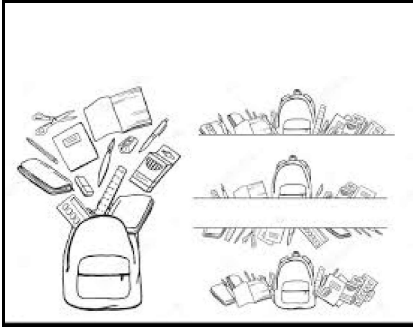
محسن جب اسکول سے واپس آیا تو کافی پریشان لگ رہا تھا۔دادا جان اُس کی پریشانی کو بھانپ گئے چناں چہ رات کے کھانے کے وقت اُنہوں نے محسن کو کہا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد اُن سے مِل لے۔

عشاء کی نماز کے بعد دادا جان اَپنے اِرد گرد لحاف لپیٹے بیٹھے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔" کون؟" اُنہوں نے پوچھا۔

"دادا جان! میں ہوں۔۔۔۔۔محسن!"

’’اچھا! اندر آجاؤ۔۔۔۔۔۔‘‘ دادا جان نے کہا۔

محسن اندر داخل ہو گیا اور دادا جان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

’’ہاں اب بولو۔کیا مسئلہ ہے؟ میں کافی دنوں سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔جب بھی اسکول سے واپس آتے ہو گم سم رہتے ہو۔‘‘

’’وہ۔۔۔۔وہ۔۔۔۔‘‘ محسن ہچکچایا۔

’’ہاں۔۔ہاں بولو۔کیا اسکول میں تمہیں کوئی کچھ کہتا ہے؟‘‘ دادا جان محبت بھرے انداز میں بولے۔

’’نہیں دادا جان! یہ بات نہیں۔۔‘‘

’’تو پھر کیا بات ہے؟‘‘

’’بات دراصل یہ ہے کہ میری کلاس میں ایک لڑکا ہے۔اُس کا نام ہے علی۔وہ مجھے ہر وقت تنگ کرتا رہتا ہے۔کبھی مجھ سے چیز چھین کے کھالیتا ہے۔کبھی میرے بیگ سے کوئی چیز اٹھا کر مجھے تنگ کرنے لگتا ہے۔‘‘ محسن نے رونی سی شکل بناتے ہوئے کہا۔

’’اچھا!۔۔۔‘‘

’’اور ہاں دادا جان! وہ ٹیچرز کو میری جھوٹی شکایتیں بھی لگاتا ہے۔‘‘ محسن نے مزید بتاتے ہوئے کہا۔

’’دیکھو بیٹا! میری بات غور سے سنو۔کسی بھی آدمی کے دل کو جیتنا چاہتے ہو اور اس کی محبت حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اس کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا ہوگا۔‘‘ دادا جان نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔

’’کیا مطلب دادا جان۔۔؟‘‘ محسن نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔

’’مطلب یہ کہ تمہیں چاہیے کہ اس کے ساتھ ہمیشہ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔اپنے کھانے کی چیزوں میں اسے اپنے ساتھ شریک کرو۔ٹھیک ہے ناں۔۔۔‘‘ دادا جان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

’’اچھا دادا جان! میں آپ کی بات سمجھ گیا۔اب میں ایسا ہی کیا کروں گا۔‘‘ محسن نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
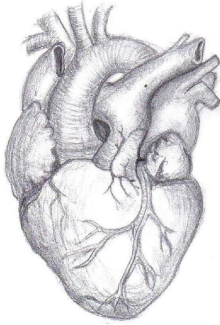
ماں کا دل

انیق اطہر ۔ لاوہ

زید پھولے نہ سما رہا تھا کہ آخر کار اُس نے اُس کا نمبر لے ہی لیا۔ وہ اُس سے چند روز پہلے ہی ملا تھا۔ آفس میں اُس نے ابھی ابھی ہی جوائن کیا تھا۔ پھر فون پہ باتیں شروع ہوئیں۔ پہلے پہل تو وہ اسے صرف دوست ہی سمجھ رہی تھی۔ کیوں کہ وہ ایک مخلوط ادارے سے پڑھی ہوئی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ اُسے سمجھ آ رہی تھی کہ یہ بات دوستی تک محدود نہیں۔ آج کل زید اس سے ہر بات شیئر کرتا۔ یہاں تک کہ وہ کیا کھاتا ہے؟ کیا پیتا؟ کب سوتا ہے؟ حتیٰ کہ پل پل کی خبر۔

آخر زید نے اُس سے کہہ ہی ڈالا۔ ''کیا تم مجھ سے شادی کرو گی۔'' وہ پہلے ہچکچائی۔ مگر وہ بھی اس کو پسند کرنے لگی تھی۔ پھر وہ بولی۔ ''ایک شرط پر۔''

''کون سی شرط؟ تم کہو تو تارے ہی توڑ لاؤں''

نہیں مجھے تارے نہیں چاہیں۔'' وہ بولی۔

''پھر کیا؟''

''اگر۔۔۔!اگر۔۔۔۔۔!اگر! تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو تو اپنی ماں کا دل نکال کر لاؤ''۔

اس کے نیچے سے زمین سرک گئی۔ زید کو یوں لگا کہ آسمان اس کے سر پہ ٹوٹ پڑا ہو۔ وہ ساکت ہو گیا۔ اتنے میں وہ بولی۔ ''تم اگر مجھ سے محبت کرتے تو یوں خاموش نہ رہتے''۔

زید دھک سا رہ گیا۔ سر ہاتھوں میں تھامے ہوئے اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

اگلے دن وہ اُس کے گھر تھا۔ اُس نے زید کو زبردستی باہر نکالنا چاہا مگر بے سود۔ اتنے میں زید کہنے لگا۔ ''تمہیں میری محبت پہ شک تھا۔ یہ لو۔ تم پہ میرا سب کچھ قربان۔۔۔۔!'' اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔

''کیا اب بھی تم مجھ سے شادی نہیں کرو گی؟''

آخر کار ان کی شادی ہو گئی۔ زید کا ایک بیٹا ڈاکٹر بنا اور بیٹی نے وکالت کی دنیا میں قدم جمائے۔ ایک دن وہ اپنی اماں سے کہنے لگا۔ اماں! یہ اِس لال ڈبے میں کیا ہے؟ جو ہم بچپن سے دیکھتے آ رہے ہیں۔ تو اس کی اماں کہنے لگی۔ ''یہ تمہارے باپ نے اپنی ماں کا دل نکال کر مجھ سے شادی کی تھی۔ یہ وہی دل ہے۔'' بیٹے نے ڈبہ کھولا اور اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ اماں سے کہنے لگا: ''اِت۔۔۔!اِت۔۔۔۔!اتنا بڑا دھوکا! اماں! یہ تو۔۔۔۔! یہ۔۔۔۔! یہ۔۔۔! بکرے کا دل ہے۔۔۔!''

معلومات کا خزانہ

عمیر بن زبیر ۔ کراچی

۱)انسانی جسم میں اتنا فولاد ہوتا ہے کہ درمیانے درجے کے سات کیل تیار ہوسکتے ہیں۔

۲)انسانی جسم کی حرارت سے تین پیالیاں چائے کی تیار کی جاسکتی ہیں۔

۳)انسانی چھینک کی رفتار ۱۰۰ میل فی گھنٹہ ہے۔

۴)انسانی جسم میں اتنی چربی ہوتی ہے کہ اس سے چار پونڈ صابن تیار ہوسکتا ہے۔

۵)انسان میں خون کے خلیے مرنے کے بعد آدھا گھنٹہ زندہ رہتے ہیں۔

۶)انسان کی آنکھیں مرنے کے بعد آدھا گھنٹہ زندہ رہتی ہیں۔

۷)انسان کا دماغ مرنے کے بعد دس منٹ زندہ رہتا ہے۔

۸)انسانی کان مرنے کے بعد ایک گھنٹے تک سُن سکتے ہیں۔

۹)انسانی جسم میں اتنی توانائی موجود ہوتی ہے کہ اُسے برقی توانائی میں تبدیل کیا جائے تو ساٹھ وولٹ کا بلب دو منٹ تک روشن ہوسکتا ہے۔

۱۰)انسان کے جسم میں خون کا ایک قطرہ پچاس سال میں تقریباً ۲۰ ہزار میل سفر طے کرتا ہے۔

۱۱)انسانی جسم میں ۲۰۶ ہڈیاں ہیں۔

۱۲)انسانی ہاتھ میں کل ۲۷ ہڈیاں ہیں۔

۱۳)انسانی ٹانگ میں کل ۳۱ ہڈیاں ہیں۔

۱۴)انسانی جسم میں کل ۲۵ لاکھ مسام ہیں۔

۱۵)انسانی ناخن روزانہ اوسطاً اعشاریہ ایک ملی میٹر کی رفتار سے بڑھتے ہیں۔

۱۶)انسانی جسم میں کل ۶۵ فی صد پانی پایا جاتا ہے۔

۱۷)انسان کا دایاں پھیپھڑا بائیں سے بڑا ہوتا ہے۔

ول ڈیورنٹ کی کتاب ''تہذیب کی کہانی'' سے اقتباس (مرسلہ: تیمور ریاض ۔ اکوال)

''(محمد ﷺ کی آمد سے پہلے) کسی نے خواب بھی نہیں دیکھا تھا کہ یہ خانہ بدوش عرب ایک صدی کے عرصے میں آدھے بازنطینی ایشیا، پورے کے پورے ایران اور مصر اور شمالی افریقہ کے اکثر حصے کو فتح کرتے ہوئے اسپین تک جا پہنچیں گے۔''

''اگر ہم عظمت کا معیار اخلاقی وروحانی تاثیر کو بنائیں تو ہمیں یہ ماننے میں کچھ تامل نہیں کہ محمد (ﷺ) انسانی تاریخ کی عبقری ترین شخصیات میں سے تھے۔''

(Story of civilization/ Well Durant, V 4, P 154, 174)
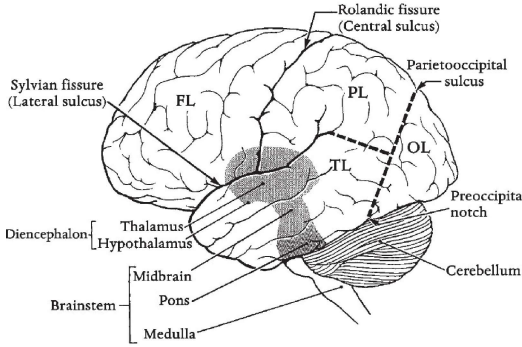
صحت کا سفر (۲)

دماغ

(راجہ عادل سرفراز ۔ کوٹ سارنگ)

''اردو زبان کا ایک محاورہ ہے: "دماغ سوزی کرنا"۔۔۔مطلب یہ کہ 'بہت زیادہ دماغ استعمال کرنا'۔۔اس "دماغ سوزی" سے جو نتائج اور محاورات سامنے آتے ہیں اِن میں سرِ فہرست ۔۔۔"دماغ چڑھنا، دماغ چل جانا، دماغ خالی ہونا، دماغ کھسک جانا، دماغ میں خلل ہونا، دماغ میں خنّاس ہونا اور دماغ میں گیدڑ نے کاٹ کھایا ہے"۔۔۔ ہیں---- یہ سارے محاورے جب" یک جا" ہو جاتے ہیں تو ایک خطرناک صورت سامنے آتی ہیا ور وہ خطرناک صورت ہے۔۔۔۔"دماغی تعطّل"۔۔۔اِس "دماغی تعطّل" کی درستگی کے لیے 'راجہ عادل سرفراز صاحب" آپ کے ساتھ 'دماغ سوزی" کریں گے کیوں کہ اِنہیں آپ کا دماغ کھسکا ہوا لگ رہا ہے۔ چنانچہ راجہ صاحب اِسے واپس لانے کی کوشش میں ہیں۔۔۔اَب اِن کی کوشش کہاں تک رَنگ لائے گی یہ تو آپ ہی بتائیں گے۔۔۔'' (مدیر)

انسان کو جو اعضاء عطا کیے گئے ہیں ان میں سے "دماغ" ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ وگرنہ جو آدمی "دماغی کمزوری" کا شکار ہوتا ہے، اُسے یہ معاشرہ قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اس لیے دماغ کا "ہیلتھی" ہونا بے حد ضروری ہے۔ ایک جدید تحقیق کے مطابق انسان جتنا زیادہ دماغ استعمال کرتا ہے۔ اتنا ہی دماغ اور تیز ہوتا ہے۔ مگر یہ نہیں کہ ہر وقت دماغ کو استعمال میں لایا جائے بلکہ اِسے ریسٹ وغیرہ بھی دیا جائے۔ کیوں کہ پھر دماغ کا توازن بگڑ سکتا ہے۔ اِس کے علاوہ کچھ طلباء" کند ذہن" ہوتے ہیں۔ اُن کے لیے "سبق" یاد رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اِس مرض کے علاج کے لیے کئی نسخے موجود ہیں مگر آج اُن میں سے سہل اور "ایزی میکنگ" نسخہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔ جو بہت کارآمد ہے۔

اجزاء:

بادام کی گِری	(ایک چھٹانک)
دھنیا	(ایک چھٹانک)
خشخاش	(ایک چھٹانک)
سونف	(ایک چھٹانک)
مِصری	(ایک چھٹانک)
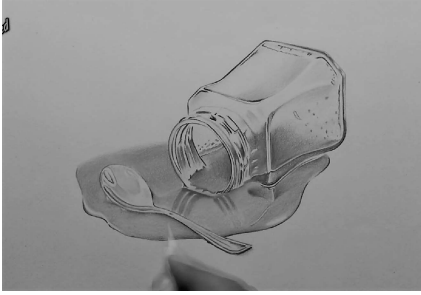
چھوٹی الائچی	(حسبِ ضرورت)
اخروٹ کی گری	(ایک چھٹانک)
پستہ	(ایک چھٹانک)

ترکیب:

اِن اشیاء کو آپس میں اچھی طرح مِکس کر لیں۔مصری کی جگہ "شہد" استعمال کر لیں تو اور بہتر ہو گا۔شہد کے استعمال سے "معجون" گاڑھا، خوش بودار اور خوش ذائقہ بنے گا۔

طریقہء اِستعمال:

صبح وشام ایک چائے کا چمچ اس "معجون" کا گرم دودھ میں ڈال کر اِستعمال کریں۔

نوٹ: یہ "معجون" دودھ کے بغیر "پانی" کے ساتھ بھی اِستعمال کر سکتے ہیں۔

سقراط کے نزدیک روح اور آخرت کا تصور

دیگر یونانی فلاسفہ کے برعکس ہمیں سقراط کے یہاں توحید اور آخرت کا تصور بہت واضح طور پر ملتا ہے۔سقراط کے یہاں زندگی کا مقصد اور اس کی کامیابی مادی خواہشات اور نفسانی اغراض سے بہت بلند ہے۔وہ روح کو انسانی وجود کا جوہر اور حقیقی سرچشمہ شمار کرتے ہیں۔یونان کے بت پرست اور پرلے درجے کے عقل و مادہ کے پجاری معاشرے میں سقراط کی یہ آواز اتنی منفرد اور انوکھی ہے کہ اسے محض فکری یا فلسفیانہ کاوش کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ یہ یقیناً کسی روحانی سرچشمے کا فیض ہے۔خواہ وہ وحی ہو یا الہام۔۔سقراط کہتے ہیں:

''میرے دوستو! اگر روح کو واقعی بقا حاصل ہے تو اصل دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس کی کیسی نگہداشت ہونی چاہیے؟ جس کا فائدہ وقت کے صرف اس حصے تک محدود نہ ہو جسے ہم عمر کہتے ہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہو۔اس پہلو سے دیکھیں تو اس مسئلے سے غفلت برتنا انتہائی خطرناک ہو سکتا ہے۔اگر موت سب چیزوں کا خاتمہ ہے تو پھر برے لوگوں کو تو اس سے بڑا فائدہ ہے کیوں کہ موت کے ساتھ ہی ان کا جود اور ان کی برائیاں، دونوں ہی ختم ہو جائیں گی۔لیکن اب جیسا کہ واضح ہو چکا ہے کہ روح کبھی ختم نہیں ہوگی اس لیے یہ تو ممکن نہیں کہ برائیوں سے کبھی نجات و چھٹکارا مل جائے۔لہذا بہترین راہ یہی ہے کہ اسے نیکی و توانائی میں خوب سے خوب تر کیا جائے کیوں کہ روح جب دوسری دنیا کی عازمِ سفر ہوتی ہے تو صرف اپنی پرورش و تربیت ہی کو اپنے ساتھ لے کر جاتی ہے۔یہی وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی بدولت، سفر کے آغاز ہی میں، مرنے والے کو یا تو بڑا فائدہ ہوگا یا بڑا نقصان۔۔''

(ڈاکٹر منصور الحمید: سقراط، صفحہ نمبر ۱۳۹، ط: لاہور، ۲۰۱۰ء)

(محمد عمار بن مجاھدین ۔ پشاور)

جنگل کہانی

خون خوار درندہ

رفاقت حیات ۔ لاوہ

رات کا گہرا سناٹا چھا چکا تھا۔ ہر طرف تاریکی نے اپنے پر پھیلا دیئے تھے۔ دور کہیں جنگل میں ایک چھوٹے سے مکان میں روشنی کی موجودگی اندھیرے کو مات دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ یکا یک اس پرانے مکان سے ایک شخص باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ جس کی روشنی ادھر ادھر درختوں پر پڑ کر انہیں بھیانک روپ دے رہی تھی۔ جھونپڑی سے نکلنے والا شخص ایک شکاری تھا۔ اور اپنے شوق کی خاطر وہ ہفتے کے دو دن یہاں گزارتا اور خوب شکار کھیلتا۔ وہ محض ایک شکاری نہیں بلکہ بہت پڑھا لکھا شخص بھی تھا۔ اس کا نام تھا فارس۔

فارس کو قریب دو اڑھائی سال ہو چکے تھے وہ باقاعدگی سے جنگل میں آتا تھا۔ رات کو اچانک اس نے کچھ آوازیں سنیں تو وہ اپنے مکان سے باہر نکل آیا۔ یہ کسی شیر کی گرج دار آواز تھی۔ عام طور سے شیر کی دھاڑ پانچ میل سے سنائی دیتی ہے۔ لیکن اس دھاڑ سے پتہ چلتا تھا کہ شیر یہیں کہیں دو اڑھائی میل کے فاصلے پر ہے۔ فارس اس وقت جنگل میں اکیلا موجود تھا۔ کیونکہ اور کوئی بھی نہیں تھا جو جنگل میں رات گزارنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا۔ فارس ایک بہادر جوان تھا۔ لیکن شیر کی دھاڑ نے اسے ایک انجانی تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ کیونکہ جب سے وہ جنگل میں آیا ہے تب سے اس نے اپنی آنکھوں سے شیر کو نہ ہی دیکھا یا اس کی دھاڑ سنی تھی۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ اس جنگل میں شیر موجود نہیں تھا۔

اچانک کہیں سے ''بچاؤ... بچاؤ!!'' کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ فارس نے ادھر ادھر ٹارچ گھمانا شروع کر دی۔ اس کے پاس ایک شکار کرنے والی بندوق تھی۔ جسے اس نے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ پھر اچانک سے ایک خوفزدہ قسم کی نسوانی آواز سنائی دینے لگی۔ جلد ہی وہ آواز اسے اپنے قریب آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ فارس نے آواز کی سمت بھاگنا شروع کیا۔ چند قدم طے کرنے کے بعد اسے ایک بھاگتا ہوا انسانی ہیولہ نظر آنے لگا۔

''بچاؤ... بچاؤ!!'' کی مسلسل آوازیں آ رہی تھیں۔ جیسے ہی فارس نے ٹارچ کی روشنی سامنے ہیولے پر ڈالی تو اس کے نقوش واضح ہونے لگے۔ وہ ایک بیس بائیس سالہ نوجوان تھا۔ لیکن رات کے اس وقت جنگل میں، فارس کو ایک دھچکا سا لگا لیکن جلد ہی اس نے خود پر قابو پالیا۔ ''مجھے بچاؤ... شیر... حملہ.. بچاؤ..!!''

نوجوان نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اپنی مصیبت بیان کی۔ فارس نے فوراً ہی سمجھ لیا تھا کہ اس پر شیر نے حملہ کر دیا ہے. اور اسے اب جائے پناہ کی تلاش ہے۔ لہذا اس نے کوئی بھی سوال کرنے کی بجائے موقع کی نزاکت کو سمجھا اور اسے فوراً ہی اپنے مکان میں لے آیا۔ نوجوان کو اس نے ایک کرسی پر بٹھایا اور دروازے کو اچھی طرح بند کر دیا۔ وہ بالکل خوف میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ ایسا لگ

رہا تھا کہ وہ کئی میل دوڑ کر آیا ہو۔فارس نے ابھی تک اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔شیر کی چنگھاڑ میں ابھی تک کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔فارس نے بندوق کو تھامے رکھا تھا۔لیکن اسے معلوم تھا کہ جس بندوق سے وہ ہرن کا شکار کرتا ہے اس سے ایک شیر کو مارنا قریب قریب ناممکن ہے۔لیکن نوجوان کی حوصلہ افزائی کے لیے وہ بندوق کو اپنے پاس رکھے ہوئے تھا۔

چند منٹ ایسے ہی خاموشی سے گزر گئے۔فارس نے جلدی سے چولہے پر چائے چڑھا دی۔نوجوان نے اب اپنے ہوش حواس میں آنا شروع کر دیا تھا۔سب سے پہلے فارس نے اس سے اپنا نام پوچھا۔اس نے بتایا کہ اس کا نام شیراز ہے۔

''تو آپ اس جنگل میں اکیلے اور وہ بھی رات کے وقت؟ کچھ سمجھ نہیں آرہا'' فارس نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''میں دراصل یونیورسٹی کا سٹوڈنٹ ہوں۔اور ہمارے کلاس کے گروپ کو ایک ریسرچ ورک ملا تھا۔ہمیں ایک مخصوص جڑی بوٹیوں پر کام کرنا تھا۔جو صرف اسی جنگل سے مل سکتی ہیں۔اس لیے ہمیں اس جنگل میں آنا پڑا'' شیراز نے کہا۔''کیا مطلب؟ تمہارے باقی ساتھی بھی ہیں؟''اگر ہیں تو وہ اس وقت تمہارے ساتھ کیوں نہیں؟'' فارس نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل،لیکن اس وقت معلوم نہیں وہ کہاں ہوں گے؟ دن تک ہم سب اکٹھے تھے۔ہم جنگل میں جڑی بوٹیاں تلاش کرتے کرتے جدا ہو گئے۔پھر اچانک ہم نے شیر کی چنگھاڑ سنی۔اور جو جس طرف تھا اسی طرف بھاگنے لگا۔ایک تو ہم پہلے ہی ایک دوسرے کو کھو چکے تھے اور دوسرا اس شیر نے آ کر ہمیں خوفزدہ کر دیا اور ہم ایک دوسرے سے مزید دور ہو گئے۔'' شیراز نے مختصراً تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''اوہ مائی گاڈ! یہ تھوڑا خوفناک لگ رہا ہے۔لیکن آپ گھبرائیں مت ہم انہیں ڈھونڈ لیں گے اور امید ہے وہ سب خیریت سے ہی ہوں گے'' فارس نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

اچانک فارس بوکھلا اٹھا،ایسے لگا جیسے اسے بجلی کا شدید جھٹکا لگا ہو۔شیراز نے اسے ایسے کرتے دیکھا تو حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔اور فارس سے اس کے بوکھلانے کی وجہ پوچھنے لگا۔

''شیر اگر تمہارے پیچھے تھا تو اس کا صرف ایک ہی مطلب بنتا ہے کہ اس نے انسانی بو پا لی ہوگی۔اور وہ اس کی تلاش میں یہاں ہمارے سامنے کسی بھی وقت موجود ہو سکتا ہے۔اور ہم دونوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے'' فارس نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

یہ سن کر شیراز کے پسینے چھوٹنے لگے۔اوہ مائی گاڈ! مجھے تو خوف میں یہ یاد ہی نہ رہا۔ایسا ہونا بالکل ممکن ہے..اوہ! یاد آیا'' شیراز نے چونکتے ہوئے کہا۔

اچانک شیر کی دھاڑ پھر سنائی دی۔اور یہ پہلے سے زیادہ قریب تھی۔ایسا لگ رہا تھا کہ شیر بالکل ہی کہیں پاس کھڑا ہو۔شیراز لرز نے

لگا۔فارس کا خدشہ سچ ثابت ہونے والا تھا۔''تم نے ابھی ابھی کہا مجھے کچھ یاد آیا، کیا تھا وہ؟'' فارس نے شیراز کو یاد دلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں..وہ میں..میں وہ کک کہہ رہا تھا کہ'' شیراز کی آواز میں پھر خوف در آنے لگا'' کک کہ ہمارے پروفیسر نے ہمیں ایسا سپرے دیا تھا جو مخصوص انسانی بو کو جانوروں کے لیے بے اثر کر سکتا ہے۔اسے کوئی بھی انسان اپنے اوپر چھڑک کر اس بو کو جانوروں کے لیے ختم کر سکتا ہے ،اور کوئی بھی بھرپور قوت شامہ والا جانور دوبارہ انسان کو نہیں ڈھونڈ سکتا۔'' شیراز نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔''فوراً وہ سپرے نکالو'' فارس نے جلدی جلدی کہا۔

وہ سپرے ایک شیشی کی بوتل میں تھا۔جسے شیراز نے اپنی جیب میں رکھا ہوا تھا۔اس کا بٹوا کہیں کھو گیا تھا۔لیکن یہ سپرے والی شیشی اس کے پاس رہ گئی تھی۔شاید غیبی مدد اسی طرح ہوا کرتی ہے۔شیر کی دھاڑ اب کان پھاڑنے لگی تھی۔اور مسلسل ایک ہی سمت سے آرہی تھی۔شیراز نے جلدی سے سپرے والی شیشی جیب سے نکالی۔اور لرزتے ہاتھوں سے اپنے اوپر چھڑکنے لگا۔پھر فوراً فارس کی طرف وہ شیشی اچھال دی۔فارس نے جلدی جلدی اسے اپنے اوپر سپرے کیا۔اب وہ دونوں ایک خاص حد تک مطمئن نظر آرہے تھے۔

اور وہ ایک دم ساکت ہو گئے۔کیونکہ دروازے کے سوراخ سے شیر کی چمکتی ہوئی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔شیر بالکل دروازے کے سامنے موجود تھا۔لیکن عین وقت پر فارس کی حاضر دماغی کام آ گئی۔اور شیراز کے پاس موجود سپرے نے ان کی وقتی طور پر جان بچالی تھی۔نہیں تو ان کا بچنا مشکل ہو جاتا کیونکہ شکار کرنے والی بندوق اس مضبوط شیر کو ایک حد تک صرف زخمی کر سکتی تھی۔اور زخمی عام شیر سے زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔

شیر دروازے کے سامنے رکا ہوا تھا۔ایسے لگ رہا تھا جیسے اسے مخصوص انسانی بو جو پہلے آرہی تھی وہ اب آنی ایک دم بند ہو چکی تھی۔شیر اب دروازے سے پیچھے ہٹ رہا تھا۔وہ ادھر ادھر اپنا سر گھمار ہا تھا تا کہ کہیں سے اپنی کھوئی ہوئی بو کو پالے۔لیکن ایسا ہونا اب ممکن نہ رہا۔ فارس اور شیراز سوچ رہے تھے کہ شیر اب واپس چلا جائے گا لیکن ان دونوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب شیر دروازے سے تھوڑا فاصلے پر بیٹھ گیا۔ شیراز کا دل بیٹھا جا رہا تھا. اب نہ تو وہ باہر نکل سکتے اور نہ شیر کو مار سکتے تھے۔شیراز کے باقی ساتھیوں کو ڈھونڈنا باقی تھا۔معلوم نہیں وہ زندہ بھی تھے یا نہیں۔ایک اوپر سے رات کا وقت تھا۔اور سامنے شیر موجود تھا۔جب تک شیر کو نہ مارا جائے تب تک ہر ایک خطرے میں ہوگا۔فارس اور شیراز ابھی تک وہیں ساکت کھڑے تھے۔اب انہوں نے آہستہ آہستہ پیچھے سرکنا شروع کر دیا۔وہ دبے پاؤں پیچھے کو ہٹ رہے تھے تا کہ کسی آواز سے شیر چوکنا نہ ہو جائے۔

''میرے پاس ایک طریقہ ہے'' شیراز نے سرگوشی میں کہا۔

''وہ کیا؟ جلدی بتاؤ'' فارس نے آہستگی سے کہا۔

''میرے پاس جو سپرے موجود ہے اس میں اگر ایک مخصوص جڑی بوٹی کے قطرے ملا دیئے جائیں تو وہ ایک خطرناک قسم کا زہر بن سکتا ہے۔اور وہ ہم کسی طرح شیر کو کھلا دیں تو یہ فوراً مر جائے گا'' شیراز نے کہا۔

''اوہ..!! لیکن شیر کو زہر کیسے دیا جائے؟ ہم سامنے سے تو بالکل نکل بھی نہیں سکتے اور نہ کوئی میرے پاس اس وقت وہ خاص جڑی بوٹی موجود ہے،اس کے لیے کمرے سے باہر نکلنا پڑے گا اور دروازے کے سامنے شیر موجود ہے'' فارس نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

کیوں نہیں نکل سکتے ؟''وہ دیکھو اپنے پیچھے ..'' شیراز نے کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ ہاں! میں تو بھول ہی گیا کہ کھڑکی بھی موجود ہے'' فارس نے سر کھجاتے ہوئے اپنی شرمندگی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔پہلی دفعہ شیر کو سامنے دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔اور ہوتے بھی کیوں نا کہ ایسے قوی الجثہ شیر کو دیکھ کر اچھے اچھوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔

''چلو ٹھیک ہے مان لیا ہم کھڑکی سے نکل جائیں گے لیکن شیر کو زہر کیسے دیں گے؟'' فارس نے پوچھا۔

''اگر تمہارے پاس شکار کا گوشت موجود ہو تو ہم اسے استعمال میں لا سکتے ہیں'' شیراز نے کہا۔

''ہاں، بالکل... میں نے آج ہی ہرن کا شکار کیا ہے۔اس کا گوشت موجود ہے'' فارس نے کہا۔

''تو پھر سمجھو کام ہو گیا۔اب ہمیں صرف یہاں ایک جڑی بوٹی ڈھونڈنی ہو گی اور پھر اسے پیس کر اس سپرے میں ملا دیں گے'' شیراز نے کہا۔

فارس نے بندوق اور خنجر ساتھ لیے۔اور وہ دونوں دبے پاؤں کھڑکی سے باہر نکل آئے۔شیر باہر موجود تھا۔لیکن انہیں باہر نکلنے کا خطرہ مول لینا تھا۔وہ دونوں آواز پیدا کیے بغیر ایک ہی سمت میں چلنے لگے۔ٹارچ بدستور بند تھی۔وہ کسی بھی قسم کی کوئی غلطی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ان کے جسموں پر اب بھی سپرے کا اثر موجود تھا۔نہیں تو انہیں شیر کب کا چبا چکا ہوتا۔کافی فاصلے پر جانے کے بعد فارس نے ٹارچ آن کر دی۔شیراز نے ٹارچ کی روشنی میں جڑی بوٹی تلاش کرنا شروع کر دی۔صرف اسے ہی اس جڑی بوٹی کی پہچان تھی۔اس کے پروفیسر نے اسے اس بوٹی کے متعلق بتایا تھا کہ کچھ بوٹیوں کو جب پرفیوم سپرے میں شامل کیا جائے تو وہ کیمکل ری ایکشن کر کے زہر بنا سکتی ہیں۔چنانچہ یہ بات اسے عین موقع پر یاد آ گئی اور یوں وہ دل ہی دل میں اپنے پروفیسر کو دعا دینے لگا۔تھوڑی سی کوشش کے بعد انہیں وہ مطلوبہ جڑی بوٹی مل گئی۔شیراز کے چہرے پر ایک مسکان عود کر آئی۔وہ اب واپس پلٹنے لگے تھے۔تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں موجود تھے۔شیراز نے جلدی جلدی اس جڑی بوٹی کو پیسنا شروع کیا۔ایک برتن میں اس بوٹی سے نکلنے والے قطروں کو اکٹھا کیا۔اور انتہائی احتیاط سے انہیں اس سپرے والی بوتل میں انڈیلنے لگا جو انہوں نے اس وقت اپنے جسموں پر بھی لگا رکھا تھا۔کیونکہ ذرا سی بد احتیاطی ان کی اپنی جان بھی گنوا سکتی تھی۔

جیسے ہی قطرے شیشی میں موجود محلول کے ساتھ تعامل کرنے لگے، شیشی فوراً گرم ہونے لگ گئی۔اس کا مطلب تھا کہ اس نے زہر بنا لیا ہے۔

''جلدی سے گوشت کا ٹکڑا لاؤ'' شیراز نے فارس سے کہا۔

فارس نے جلدی سے ایک برتن سے گوشت کا بڑا سا ٹکڑا اٹھایا۔اور شیراز کو دے دیا۔اس نے خنجر سے گوشت پر آڑے ترچھے نشان بناڈالے اوران نشانوں پر اس زہر کے قطروں کو گرانے لگا۔جہاں جہاں زہر گررہا تھا وہاں وہاں گوشت ابھر رہا تھا۔''یہ ایک بہت ہی خطرناک زہر ہے، جسے سائینائیڈ کہا جاتا ہے۔جیسے ہی کوئی اسے چھوئے گا وہ فوراً مر جائے گا'' شیراز نے فارس کو بتاتے ہوئے کہا۔

''واہ زبردست.. کمال ہوگیا... چلو دیکھتے ہیں کہ شیر پر اس کا اثر کتنا جلدی ہوتا ہے'' فارس نے کہا۔

فارس جیسے ہی اٹھا شیر کی زوردار قسم کی دھاڑ بلند ہوئی۔ایسے لگ رہا تھا کہ اسے اپنے شکار کو کھودینے پر بہت غصہ آرہا ہو۔شاید وہ بہت بھوکا تھا۔لیکن اب وہ خود لقمہ ءِ اجل بننے کے قریب تھا۔فارس کھڑکی سے باہر نکلا۔گوشت کو اس نے برتن میں لے رکھا تھا۔کھڑکی سے وہ چھت پر چڑھنے لگا۔رات کا سناٹا اسی طرح چھایا ہوا تھا۔چاند کی ہلکی ہلکی روشنی میں شیر کا جسم نظر آرہا تھا۔فارس نے بھرپور قوت سے وہ زہر لگا گوشت کا ٹکڑا شیر کی طرف اچھال دیا۔شیر جیسے کئی دنوں کا بھوکا تھا۔جیسے ہی گوشت کی بو پائی فوراً اس پر جھپٹ پڑا۔شیر نے گوشت کا ٹکڑا منہ میں اٹھالیا تھا۔اوراسے چبانے لگا۔اچانک شیر کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور اس کی گرج میں شدت کے ساتھ ساتھ لرزاہٹ پیدا ہونے لگی۔کمرے کے اندر شیراز کھڑی یہ سب منظر دیکھ رہا تھا۔اور اپنی کامیابی پر خوش ہورہا تھا۔اس کا بنایا ہوا زہر اثر کررہا تھا۔ابھی گوشت کا ٹکڑا شیر کے منہ میں ہی تھا کہ وہ اوندھا ہوکر گر پڑا۔زہر نے فوری اثر دکھایا اور شیر موت کے منہ میں جا چکا تھا۔یہ سب بمشکل دس سیکنڈ کے اندر اندر ہوا تھا۔فارس کے چہرے پر بھی طمانیت ناچنے لگی تھی۔وہ فوراً چھت سے نیچے کمرے میں آ گیا۔

شیراز بھی مسرت کا اظہار کررہا تھا۔انہوں نے ایک بہت بڑا معرکہ سر کرلیا تھا۔ان کا خوف اب ختم ہو چکا تھا۔

صبح کی سپیدی نمودار ہونے میں کچھ وقت باقی تھا کہ اچانک چند گاڑیوں کے چلنے کی آوازیں آئیں۔یہ محکمہ جنگلات کے سپاہی تھے۔فارس اور شیراز مکان سے باہر آئے۔شیراز کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اس کے باقی گروپ کے ساتھی صحیح سلامت گاڑی میں سپاہیوں کے ساتھ موجود تھے۔وہ فوراً نیچے اترے اور شیراز سے ملنے لگے۔شیراز نے ان سے پوچھا کہ وہ وہاں سے کیسے بچ نکلے تو انہوں نے بتایا کہ جب وہ راستے سے بھٹک گئے تو راستے میں انہیں جنگلات کے سپاہی مل گئے۔ہم ان کے ساتھ چلے گئے اور تمہیں ڈھونڈنے کے لیے جنگل چھان مارا۔آخر ایک جگہ پر کیچڑ پر تمہارے جوتوں کے نشان ملے تو ہم نے تمارا سراغ ڈھونڈ لیا اور یہاں پہنچ گئے۔

شیر کی لاش ابھی بھی وہیں موجود تھی. انسپکٹر حمید شاہ نے شیر کی لاش دیکھ کر فارس سے ہاتھ ملایا اور اسے سراہا کہ انہوں نے کتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔انسپکٹر بتارہے تھے کہ یہ شیر آدم خور تھا۔اور کسی دوسرے جنگل سے اسے کئی مہینوں کی محنت کے بعد پکڑا گیا تھا۔لیکن کسی حادثے کی وجہ سے وہ اس جنگل میں پہنچ گیا۔اور کئی دنوں سے یہاں موجود تھا۔اس نے کافی جانی نقصان کیا تھا۔جسے اب تم لوگوں نے مار دیا۔

''بہت شکریہ سر! ویسے سارا کمال شیراز کا ہے جس نے اپنی ذہانت سے شیر کو مار دیا'' فارس نے کہا۔تو شیراز مسکرانے لگا اور اس نے کہا کہ ''فارس! آپ کی بہادری کی وجہ سے ہم دونوں اس کو مارنے کے قابل ہوئے ،اگر تم شیر کو گوشت نہ کھلاتے تو شاید یہ ہمارا گوشت کھا چکا ہوتا'' شیراز نے کہا تو سب ہنس پڑے۔

شیر کی لاش کو ایک سپاہی نے پیٹرول چھڑک کر آگ لگادی۔کیونکہ وہ اب زہریلا ہو چکا تھا.

شیراز اپنے ساتھیوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا اور فارس کو سب ہاتھ ہلا ہلا کر الوداع کہہ رہے تھے۔

(احمد ندیم قاسمی)

بابا نور

ایک ایسے بوڑھے کی داستان جس کا دماغ اور حافظہ وقت کی بے رحم موجوں کی نذر ہو چکا ہے مگر اس کی امیدوں اور خوابوں نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا............ اردو کے کلاسیکی ادب سے انتخاب..........

''کہاں چلے بابا نور؟'' ایک بچے نے پوچھا۔''بس بھئی، یہیں ذرا ڈاک خانے تک۔'' بابا نور بڑی ذمے دارانہ سنجیدگی سے جواب دے کر آگے نکل گیا اور سب بچے کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ صرف مولوی قدرت اللہ چپ چاپ کھڑا بابا نور کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ بولا ''ہنسو نہیں بچو۔ ایسی باتوں پر ہنسا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے پرواہے۔''

بچے خاموش ہو گئے اور جب مولوی قدرت اللہ چلا گیا، تو ایک بار پھر سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ بابا نور نے مسجد کی محراب کے پاس رُک کر جوتا اتارا ننگے پاؤں آگے بڑھ کر محراب پر دونوں ہاتھ رکھے اسے ہونٹوں سے چوما، پھر اسے باری باری دونوں آنکھوں سے لگایا، الٹے قدموں واپس ہو کر جوتے پہنے اور جانے لگا۔ بچے یوں اِدھر اُدھر کی گلیوں میں کھسکنے لگے جیسے ایک دوسرے سے شرما رہے ہوں۔

بابا نور کا سارا لباس دھلے ہوئے سفید کھدر کا تھا۔ سر پر کھدر کی ٹوپی جو سر کے بالوں کی سفیدی سے گردن تک چڑھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی سفید ڈاڑھی کے بال تازہ تازہ کنگھی کی وجہ سے خاص ترتیب سے سینے پر پھیلے ہوئے تھے۔ گورے رنگ میں زردی نمایاں تھی، چھوٹی چھوٹی آنکھوں کی پتلیاں اتنی سیاہ تھیں کہ بالکل مصنوعی معلوم ہوتیں۔ لباس، بالوں اور جلد کی اتنی بہت سی سفیدی میں یہ دو کالے بھونرا نقطے بہت اجنبی سے لگتے۔ لیکن یہی اجنبیت بابا نور کے چہرے پر بچپنے کی سی کیفیت طاری رکھتی تھی۔ اس کے کندھے پر سفید کھدر کا ایک رومال تھا جو لوگوں کے ہجوم سے لے کر مسجد کی محراب تک تین چار بار کندھا بدل چکا تھا۔

''ڈاک خانے چلے بابا نور؟'' دکان کے دروازے پر کھڑے ایک نوجوان نے پوچھا۔''ہاں بیٹا، جیتے رہو۔'' بابا نور نے جواب دیا۔ قریب ہی ایک بچہ کھڑا تھا۔ تڑاک سے تالی بجا کر چلایا ''آہاہا، بابا نور ڈاک خانے چلا۔'' ''بھاگ جا یہاں سے۔'' نوجوان نے بچے کو گھر کا۔ اور بابا نور جو کچھ دور گیا تھا، پلٹ کر بولا ''ڈانٹ کیوں رہے ہو بچے کو۔ ٹھیک ہی تو کہتا ہے۔ ڈاک خانے ہی تو جا رہا ہوں۔'' دور دور سے دوڑ دوڑ کر آتے ہوئے بچے بے اختیار ہنسنے لگے اور بابا نور کے پیچھے ایک جلوس مرتب ہونے لگا، مگر آس پاس سے نوجوان لپک کر آئے اور بچوں کو گلیوں میں بکھیر دیا۔

بابا نور اب گاؤں سے نکل کر کھیتوں میں پہنچ گیا تھا۔ پگڈنڈی مینڈ مینڈ جاتی ہوئی اچانک ہرے بھرے کھیتوں میں اترتی، تو بابا نور

کی رفتار میں بہت کمی آجاتی۔ وہ گندم کے نازک پودوں سے پاؤں، ہاتھ اور چولے کا دامن بچاتا ہوا چلتا۔ اگر کسی مسافر کی بے احتیاطی سے کوئی پودا پگڈنڈی کے آر پار کٹا ہوا ملتا، تو بابا نور اسے اٹھا کر دوسرے پودوں کے سینے سے لپٹا دیتا اور جس جگہ سے پودے نے زخم کھایا تھا، اسے کچھ یوں چھوتا جیسے زخم سہلا رہا ہے۔ پھر وہ کھیت کی مینڈ پر پہنچ کر تیز تیز چلنے لگتا۔

چار کسان پگڈنڈی پر بیٹھے حقے کے کش لگا رہے تھے۔ ایک لڑکی گندم کے پودوں کے درمیان سے کچھ اس صفائی سے درانتی سے گھاس کاٹتی پھر رہی تھی کہ مجال ہے جو کسی پودے پر خراش آجائے۔ بابا نور ذرا سارک کر لڑکی کو دیکھنے لگا۔ وہ گھاس کی دستی کاٹ کے ہاتھ پیچھے لے جاتی۔ گھاس پیٹھ پر لٹکی گٹھڑی میں ڈال پھر درانتی چلانے لگتی۔ ''بھئی کمال ہے۔'' بابا نور نے دور ہی سے کسانوں کو مخاطب کیا۔ ''یہ لڑکی تو بالکل مداری ہے۔ اتنی لمبی درانتی چلا رہی ہے۔ چپے چپے پر گندم کا پودا اگ رہا ہے۔ لیکن درانتی گھاس کاٹ لیتی ہے اور گندم کو چھوتی تک نہیں۔ یہ کس کی بیٹی ہے۔؟''

''تو کس کی بیٹی ہے بیٹا؟'' بابا نے لڑکی سے پوچھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، تو ایک کسان کی آواز آئی ''میری ہے بابا۔'' ''تیری ہے؟'' بابا نور کسانوں کی طرف جانے لگا۔ ''بڑی سیانی ہے، بڑی اچھی کسان ہے۔ خدا حیاتی لمبی کرے۔'' ''آج کہاں چلے بابا؟'' لڑکی کے باپ نے پوچھا۔ ''ڈاک خانے؟'' دوسرے نے پوچھا۔ ''ہاں'' بابا نور ان کے پاس ذرا سارک کر بولا ''میں نے کہا پوچھ آؤں شاید کوئی چٹھی وٹھی آئی ہو۔'' چاروں کسان خاموش ہو گئے۔ انھوں نے ایک طرف ہٹ کر پگڈنڈی چھوڑ دی اور بابا نور آگے بڑھ گیا۔ ابھی وہ کھیت کے پرلے سرے پر پہنچا ہی تھا کہ لڑکی کی آواز آئی ''لسی پیو گے بابا نور؟''

بابا نور نے مڑ کر دیکھا اور گاؤں سے نکلنے کے بعد پہلی بار مسکرایا۔ ''پی لوں گا بیٹا۔'' پھر ذرا سارک کر بولا۔ ''پر دیکھ ذرا جلدی سے لادے۔ ڈاک کا منشی ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتا ہے، چلا نہ جائے۔'' لڑکی نے گھاس کی گٹھڑی کندھے سے اتاروہیں کھیت میں رکھی۔ پھر وہ دوڑ کر مینڈ پر اُگی ایک بیری کے پاس آئی۔ تنے کی اوٹ میں پڑے برتن کو خوب چھلکایا، ایلومونیم کا کٹورا بھرا اور لپک کر بابا نور کے پاس جا پہنچی۔ بابا نے ایک ہی سانس میں سارا کٹورا پی کر رومال سے ہونٹ صاف کیے، بولا ''نصیبہ اس لسی کی طرح صاف ستھرا ہو بیٹا۔'' اور آگے بڑھ گیا۔ مدرسے کے برآمدے میں ڈاک کا منشی بہت سے لوگوں کے درمیان بیٹھا روزانہ کے فارم پُر کر رہا تھا۔ وہ دیہاتیوں کو معلومات سے بھی مستفید کرتا رہتا: ''میرا سالا وہاں کراچی میں چپراسی کا کام کرتا تھا۔ جب وہ مرا، تو مجھے فاتحہ پڑھنے کراچی جانا پڑا۔

بات یہ ہے دوستو کہ ایک بار کراچی ضرور دیکھ لو چاہے وہاں گدھا گاڑی میں جُتنا پڑے۔ اتنی موٹر کاریں ہیں کہ (بقیہ صفحہ ۸ پر)

(شمارہ نمبر ایک کے متعلق قارئین کے خطوط)

سندیس، خیر اندیش

''شمارہ نمبر 1 دیکھا - اچھا لگا - "سیلِ رواں" میں مدیر صاحب نے اردو کی بعض عام غلطیوں کی اصلاح کر دی - واقعی الفاظ کو ملا ملا کر لکھنے کا رجحان بہت عام ہے - "برکھا" کچھ سمجھ میں نہیں آئی - اپنا نام رسالے میں دیکھ کر بھی خوشی ہوئی - علی حیدر صاحب کی "منتظر" خوب تھی - میری ایک گزارش ہے کہ رسالے میں شعرو شاعری کا بھی کوئی مستقل سلسلہ شروع کیا جائے۔''

(محمد فرحان چکڑالوی)

ج: شکریہ --- بزمِ شعرو سخن اسی شمارے میں موجود ہے۔

☆☆☆☆

''جمعہ کے دن آپ کا رسالہ ملا - پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی - افضل تتری کی تحریر ''برکھا'' سر کے اوپر سے گزر گئی - "معلومات کا خزانہ" پڑھ کر معلومات میں بے پناہ اضافہ ہوا - "خطرناک چارپائی" پڑھ کے تو ہم ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے - رسالے میں نظم کی کمی البتہ ضرور محسوس ہوئی - "پاکستان کا سوئٹزر لینڈ '' پڑھ کر سوات کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں - غرض پورا رسالہ ہی بہترین تھا۔'

(محمد ابوہریرہ - چکوال)

ج: افضل تتری کی تحریر ذرا "بڑے بچوں" کے لیے تھی۔

☆☆☆☆

''السلام وعلیکم!" قلم کا سفر" کافی دیر سے ملا۔ اداریے مزے کے تھے۔ محمد شاہد صاحب کی تحریر "میرا کیا قصور ہے؟" پڑھ کر مزہ آیا۔ معلومات کا خزانہ بہترین تھی۔ گزارش ہے کہ کوئی: ''سلسلہ وار '' ناول یا سیریز شروع کی جائے۔''

(محمد عاطف - بن حافظ جی)

ج: جی شکریہ!! آپ کی تجویز نوٹ کر لی گئی ہے۔

☆☆☆☆

''دسمبر 2018 کے شمارے پر نظر کیا پڑی کہ طبیعت میں راحت و سرور سرایت کر گیا۔ شمارہ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ "سیلِ رواں" اور "تلقین" دونوں بہترین تھے۔ سوات کے بارے میں حیرت انگیز معلومات پڑھنے کو ملیں۔ "سائبان اٹھ گیا" حاجی عبدالوہاب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال پر ایک بہترین "نثری مرثیہ" تھا۔ "آسیب زدہ" بھی ایک اچھی کہانی تھی۔ "برتنوں کی پاکی" ایک بہترین واقعہ تھا۔ "شاعری" کے حصے کی کمی ضرور محسوس ہوئی۔''

(محمد طلحہ اکبر - لاوہ)

ج: وہ "کمی" دور ہو چکی ہے۔

☆☆☆☆

''السلام علیکم! یوں تو سارا شمارہ ہی بہت زبردست تھا مگر اداریوں اور جناب افضل تتری صاحب کی تحریر کا کوئی جواب نہیں۔ البتہ ایک عرض کرنی ہے کہ شمارے میں نظم اور لغت کی کمی محسوس کی گئی۔ امید ہے اس پر توجہ فرمائیں گے۔

(امیر حمزہ ۔ سُکّا)

ج: ان شاءاللہ۔ آپ بھی سُکّے کو گیلا کرنے کی کوشش کریں۔

ہنسی کی پھلجڑی

ایک صاحب نے اپنی ہونے والی بیوی سے کہا: ''میں جو کچھ کماتا ہوں تمہارے سامنے ہے۔ کیا تم اس میں میرے ساتھ گزارا کرلوگی؟''

بیوی: ''ہاں، کیوں نہیں۔۔ میں تو گزارا کرلوں گی۔ مگر تمہارا کیا بنے گا۔''

(مزمل احمد۔ واہ کینٹ)

باپ: ''بیٹا تمہاری تعلیم پر بہت زیادہ خرچ ہو رہا ہے۔''

بیٹا: ''ابا! اسی لیے میں نے پڑھنا بہت کم کر دیا ہے۔''

(شہزاد احمد۔ واہ کینٹ)

مالک: ''اگر تمہیں نوکری مل گئی تو بھاگو گے تو نہیں؟''

نوکر: ''جی نہیں صاحب! اس سے پہلے بھی ایک جگہ تین سال تک رہا ہوں بالکل نہیں بھاگا۔''

مالک: ''کدھر رہے ہو؟''

نوکر: ''جی! جیل میں۔''

(محمد علی معاویہ بن عزیز الحق، متعلم جامعہ بیت السلام)

جج (مجرم سے): ''تمہیں شرم نہیں آتی ہر دوسرے مہینے عدالت آئے ہوتے۔''

مجرم: ''صاحب اگر ایسی بات ہے تو پھر آپ کو ڈوب مرنا چاہیے۔ آپ تو روزانہ آئے ہوئے ہوتے ہیں۔

(رانا محمد اَنس۔ اوکاڑہ)

استا: ''امجد! تمہاری تاریخ پیدائش کیا ہے؟''

امجد: ''جناب ۱۹۹۶ ق م''

استاد: ''یہ ''ق،م'' کیا ہے؟''

امجد: ''اس کا مطلب ہے، قبل مجید۔ میں اپنے بھائی مجید سے دو سال پہلے پیدا ہوا ہوں۔''

(حبیب اللہ۔ ٹیکسلا)

ایک صاحب کا جوتا آواز کر رہا تھا۔ ان کے دوست نے مذاق کے طور پر کہا:

''کیوں بھئی! جوتا چوری کا تو نہیں؟''

وہ بولے: ''نہیں اگر ایسی بات ہوتی تو میری شرٹ اور ٹائی بھی آواز کرتی۔''

(تحسین اللہ ۔ ٹانک)

ایک کنجوس چھت سے نیچے جھانک رہا تھا تو نیچے گر گیا۔ گرتے ہوئے کچن کی کھڑکی کے پاس سے گزرا تو اندر اُس کی بیوی کھانا پکا رہی تھی۔ کنجوس نے کہا: ''سلمٰی! میری روٹی نہ پکانا!''

دو پاگل رات کو آسمان میں گھور رہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہوگئی۔ تو ایک نے کہا۔ یار! آسمان لِیک ہو گیا ہے۔ اچانک بجلی چمکی تو دوسرے نے کہا کہ ٹینشن کی کوئی بات نہیں۔ ویلڈنگ والا پہنچ گیا ہے۔

(عبدالحنان فاروق۔ چکوال)

بیٹا: ''ابو! کیا ہم ہوائی جہاز کے ذریعے اللہ میاں کے پاس جاسکتے ہیں۔''

باپ: ''جی بیٹا! بشرط یہ کہ ہمارا جہاز کسی اور جہاز سے ٹکرا جائے۔''

(عبدالحق میانوالی)

ایک آدمی ریڈیو لے کر جا رہا تھا۔ راستے میں کسی نے اسے پکار کر کہا: ''یہ ریڈیو کس کا ہے؟''

آدمی (غصے سے): ''تمہارے باپ کا ہے۔''

دوسرا آدمی: ''میں بھی کہوں کہ جانا پہچانا سا لگ رہا ہے۔ لاؤ دو۔''

استاد (شاگرد سے): ''شعر مکمل کرو:

''جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی''

شاگرد: ''اس کھیت میں فوراً ہی ٹیوب ویل لگا دو''

(محمد شاہد ۔ ڈیرہ اسماعیل خان)

ایک سیاست دان غریبوں کی بستی میں ووٹ مانگنے کی غرض سے تقریر کر رہا تھا۔ دورانِ تقریر ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

''ہم نے سنا ہے کہ آپ بہت مغرور ہیں۔ آپ کو غریبوں سے نفرت ہے اور آپ انہیں حقیر سمجھتے ہیں۔''

سیاست دان بولا: ''اصل میں بات یہ ہے کہ میرے مخالفین مجھے بدنام کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اگر مجھ میں تکبر ہوتا اور میں کسی کو حقیر سمجھتا تو آپ جیسے دو ٹکے کے لوگوں سے ووٹ مانگنے کیوں آتا۔''

آدھی رات کو ایک آدمی نے ڈاکٹر کو فون کر کے کہا: ''ڈاکٹر صاحب مجھے نیند نہیں آ رہی۔''

ڈاکٹر: ''تم فون کان سے لگائے رکھو میں تمہیں لوری سناتا ہوں۔

ایک شخص (بھکاری کا خوب صورت مکان دیکھ کر): ''یہ تمہارا ہے؟''

بھکاری: ''حضور! کاغذات میں تو یہ بندے کے نام ہے مگر چندہ اس کے لیے پورے شہر نے دیا ہے۔''

(عبداللہ اسلم ۔ سرگودھا)

کایا پلٹ

غیبت سے بچنے کا نسخہ

امام ابن وہیبؒ دوسری صدی ہجری کے مشہور فقیہہ ہیں۔ فرماتے ہیں:

''میں نے غیبت سے بچنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جس دن کسی کی غیبت کرتا۔ اگلے دن نفس کو سزا دینے کے لیے روزہ رکھ لیتا۔ لیکن بات بنی نہیں۔ روزہ رکھنا عادت سی بن گئی اور سزا کی تلخی کی بجائے اُس میں لطف محسوس ہونے لگا۔ ظاہر ہے جو چیز پُر لطف ہو۔ وہ سزا کیسے ہو سکتی ہے؟۔ اس لیے میں نے روزہ کی بجائے ہر غیبت کے عِوض ایک درہم صدقہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ سزا نفس کو شاق معلوم ہوتی اور یوں غیبت کے روگ سے مجھے نجات ملی۔''

(ترتیب المدرك للقاضی عیاض)

(انتخاب: محمد علی معاویہ ۔ جامعہ بیت السلام تلہ گنگ)

مصور کی ذہانت

سلطان محمود ۔ بن حافظ جی

سِکھ سَلطنت کے مشہور مہاراجا رنجیت سنگھ کے بچپن ہی میں اُس کی اِیک آنکھ چیچک کی وجہ سے ضائع ہوگئی تھی۔اِیک دِن مہاراجا نے شاہی مُصوّر کو اَپنی ایک حسین وجمیل تصویر بنانے کے لیے کہا۔ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر تصویر پسند نہ آئی تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔

مُصوّر نے ہر زَاویے سے چہرے کا جائزہ لیا،لیکن " کانے پن" کی وجہ سے بات نہ بن سکی۔

آخر مُصوّر نے اِیک اِیسی تصویر بنا کر مہاراجا کو پیش کی، جو رنجیت سنگھ کو بہت پسند آئی۔اُس نے مُصوّر کو مالا مال کر دیا۔تصویر میں مہاراجا رنجیت سنگھ تیر کمان سے اِیک آنکھ بند کر کے ہرن کا نشانہ لے رہا تھا۔اِس طرح آنکھ بند کرنے سے مہاراجا کی کانی آنکھ کا عیب بھی چھپ گیا اور مُصوّر کی ذہانت نے اُس کی جان بھی بچالی اور وہ اِنعام واِکرام سے نوازا گیا۔

عجیب ٹیکسی ڈرائیور

محمد طلحہ اکبر ۔ لاوہ

دوسری عالمی جنگ کا زمانہ تھا۔برطانوی وزیرِ اعظم وِنسٹن چَرچل نے ٹیکسی کرائے پر لی اور بی بی سی لندن سے تقریر کرنے کے لیے ریڈیو اسٹیشن پہنچے۔وہاں پہنچ کر چَرچل نے ڈرائیور سے کہا؛"اگر تم پندرہ منٹ تک اِنتظار کر سکو تو میں تمہاری ٹیکسی پر ہی واپس جاؤں گا"

ڈرائیور چَرچل کی شکل وصورت سے ناواقف تھا اس لیے بولا:"لیکن مجھے تو اِن پندرہ منٹوں میں ریڈیو پر "چَرچل" کی تقریر بھی سننی ہے۔آخر کو وہ ہمارے لیڈر ہیں،راہنما ہیں۔"

چَرچِل نے خوش ہوکر کہا:" لگتا ہے تمہیں اَپنے لیڈر سے بہت پیار ہے،لہذا تم جاؤ۔"

ٹیکسی ڈرائیور نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا:"چَرچل جائے بھاڑ میں،آپ واپس آجایئے۔۔۔میں آپ کا اِنتظار کروں گا۔۔۔"

پروفیسر اسلم بیگ ۔ اسلام آباد

حمدِ باری تعالیٰ
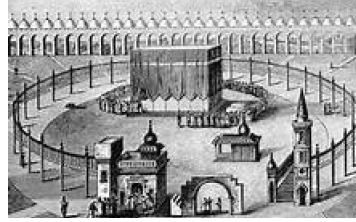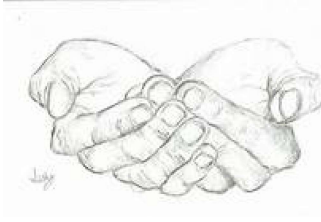
بالکل سچی بات ہے اُس کی
قائم دائم ذات ہے اُس کی

سب سے اَرفع نام ہے اُس کا
دن اُس کا ہے،رات ہے اُس کی

قادر ہے وہ ہر اِک شے پر
کوئی نہیں ہے اُس سے باہر

مالکِ عرش و خاک رہا ہے
بُرے بُھلے کو تاک رہا ہے

غافل تابع عاجز ہونا
اِن چیزوں سے پاک رہا ہے

پل میں جو کچھ چاہے کردے
خالی کر دے جیبیں بھر دے

ہم ہیں بے بس بندے اُس کے
عاجز ناکس بندے اُس کے

اُس کی تہہ کو ہم کیا پہنچیں
کچے نارس(۱) بندے اُس کے

سب سے اَفضل اعلیٰ ہے وہ
عقل سے اسلمؔ بالا ہے وہ

---

(۱) نارس بندے: جن کی کوئی پہنچ نہ ہو۔

بزمِ شعر و سخن

انتخاب: غلام محمد ۔ لاوہ

راکھ کے ڈھیر پہ اَب رات بسر کرنی ہے
جل چکے ہیں مِرے خیمے،مِرے خوابوں کی طرح

وہ بچپنے کی نیند تو اَب خواب ہوگئی
کیا عمر تھی کہ رات ہوئی اور سوگئے!

وہ سمندر ہے تو پھر رُوح کو شاداب کرے
تشنگی کیوں مجھے دیتا ہے سرابوں کی طرح

کل دیکھا اِک آدمی،اَٹا سفر کی دھول میں
گم تھا اپنے آپ میں، یوں جیسے خوشبو ''پھول''میں

تری کج ادائی سے ہار کر شبِ انتظار چلی گئی
مرے ضبطِ حال سے روٹھ کر مرے غم گسار چلے گئے

بڑھ کے آغوش میں طوفان کو لے لے اپنی
ڈوبنے والے ترے ہاتھ سے ساحل تو گیا

ادب کی بات ہے ورنہ منیؔر سوچو تو
جو شخص سنتا ہے وہ بول بھی تو سکتا ہے

آخر گِل اپنی صرفِ درِ مے کدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اُن کی گلی سے جب بھی کیا ہے سفر کا قصد
وہ آگئے ہیں راہ میں دیوار کی طرح

نہ گل کھلے ہیں ، نہ اُن سے ملے، نہ مے پی ہے
عجیب رنگ میں اب کہ بہار گزری ہے

قارئین سے التماس ہے کہ ہر ماہ بزمِ شعر و سخن کو اپنے پسندیدہ اور معیاری اشعار سے مزین کریں۔

قسط نمبر ۲
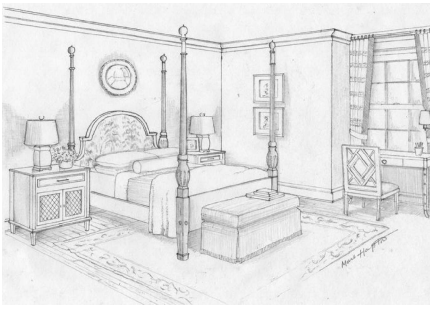
رت ھی بدل گئی

اسامہ یعقوب ۔ ہری پور

دادا جان کمرے میں بیٹھے کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ وہ ابھی عشاء کی نماز اور کھانے سے فارغ ہوئے تھے۔ سردی بہت زیادہ تھی چناں چہ وہ لحاف میں دبک کر بیٹھے تھے۔ اچانک دروازے پر کھٹ کھٹ ہوئی۔

''کون؟'' وہ کتاب سے نظریں اٹھائے بغیر بولے۔

''دادا جان! ہم۔ میں اور عائشہ۔۔'' عمر کی آواز سنائی دی۔

''اچھا۔۔ اچھا۔۔ آجاؤ اندر۔۔'' دادا جان کتاب بند کرتے ہوئے۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!'' دادا جان دونوں بیک زبان بولے۔

وعلیکم السلام، بیٹھو۔۔'' دادا جان کتاب ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولے۔ ''ہاں بولو۔۔۔''

''دادا جان کل آپ آخری خلیفہ کے بارے میں بتا رہے تھے تو آپ نے کہا کہ یہ خلیفہ خلافتِ عثمانیہ کا آخری خلیفہ تھا۔۔ آخری عثمانی خاندان کی خلافت کتنا عرصہ قائم رہی؟'' عمر بولتا چلا گیا۔

''بیٹا! سب سے پہلے تو یہ جان لو کہ عثمانی خاندان سے پہلے عباسی خاندان حکومت کرتا تھا۔ ان کی جگہ عثمانی خاندان نے لے لی۔''

''مگر کیسے؟ دادا جان۔۔!'' عائشہ بے صبری سے بولی۔

''بیٹا! ۲۱ محرم ۶۵۶ ھ کا واقعہ ہے جب ہلاکو خان نے بغداد کو مسخ کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے خلیفہ معتصم باللہ اپنے محل میں ہر طرف سے گھر چکے تھے۔ جب کہ ان کے ساتھی انہیں دھوکہ دے کر محل چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ اب ان کے ساتھ صرف ان کا وزیر ابنِ علقمی باقی رہ گیا تھا۔''

''تو کیا دادا جان! وہ خلیفہ کا پکا وفادار تھا؟'' عمر نے پوچھا۔

''نہیں بیٹا! وفادار کہاں۔۔ وہ تو غدار تھا غدار۔۔۔ ہلاکو خان پہلے ہی اسے خرید چکا تھا۔ چناں چہ اس نے جب دیکھا کہ خلیفہ کے پاس کوئی امید کی کرن نہیں رہی تو وہ اس سے بولا کہ اب تاتاریوں سے جنگ کرنا بے کار ہے۔ آپ میرے ساتھ ہلاکو خان کے پاس چلیں۔ انعام واکرام اور مال وجواہر اس کی نذر کریں۔ اس طرح وہ شاید ہم پر حملہ کرنے سے رک جائے۔ بلکہ آپ اپنے بیٹے ابوبکر کو بھی ساتھ لے چلیں۔ ہلاکو خان کی بیٹی کا ہاتھ ہم اس کے لیے مانگ لیں گے۔ اس طرح آپ کو کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔''

''تو کیا خلیفہ ابنِ علقمی کے ساتھ چلا گیا دادا جان!'' عمر بے صبری سے بولا۔

''ہاں بیٹا! وہ ابنِ علقمی کے جھانسے میں آ گیا۔ اور اپنے دونوں بیٹوں اور چند مصاحبوں کو ساتھ لے کر ہلاکو خان کے دربار تک جا پہنچا۔ وہاں جب اس نے ہلاکو خان کو تمام مال و جواہر پیش کیے تو ہلاکو نے وہ لے کر تقسیم کر دیئے اور خلیفہ کے بیٹوں اور مصاحبوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر خلیفہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ لگا ابنِ علقمی کی طرف دیکھنے۔ مگر اس کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ تھی۔''

''پھر خلیفہ کو چھوڑ دیا گیا تھا یا نہیں۔۔۔؟'' عائشہ نے سوال کیا۔

''وہ خلیفہ کو بھی قتل کرنا چاہتا تھا۔ مگر ابنِ علقمی غدار نے کہا کہ خلیفہ کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنے چاہیں بلکہ اسے چٹائی میں لپیٹ کر ڈنڈوں سے کچل دیا جائے اور اوپر سے ہاتھی گزارا جائے۔ اور یہی کیا گیا۔ ہاتھی نے خلیفہ کی لاش کو بری طرح کچل دیا۔''

''اف۔۔۔! لاش کی اتنی بے حرمتی۔۔!'' عمر نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''یہی نہیں بیٹا! بعد میں ابنِ علقمی کی لاش کو ٹھوکریں بھی ماریں۔ خلیفہ کی موت کے بعد حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اور ہلاکو خان نے ایک کٹھ پتلی مسلمان حکمران بیبرس کو مصر کا حاکم مقرر کر دیا۔''

''مگر دادا جان! یہ حکومت دوبارہ مسلمانوں کے ہاتھ کیسے لگی؟ مطلب عباسیوں کے بعد پھر عثمانیوں تک کیسے پہنچی؟'' عائشہ بولی۔

''وہی تو بتانے جا رہا ہوں۔۔۔ دراصل جب بیبرس نے محسوس کیا کہ عوام حکومت کی انتظامیہ کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اس نے عباسی خاندان کے ایک فرد کو ''برائے نام'' محض عوام کو خوش کرنے کے لیے خلافت کی مسند پر بٹھا دیا۔''

''تو کیا پھر مسلمانوں نے حکومت واپس لے لی؟'' عمر نے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔۔ بلکہ یہ ایک بے جان خلافت تھی۔۔۔ خلیفہ کو کسی بھی قسم کے حکومتی و سیاسی معاملے میں دخل اندازی کرنے سے سختی سے منع کر دیا گیا۔ خلیفہ صرف نام کے خلیفہ تھے۔ اصل حکومت بادشاہوں ہی کی تھی۔ پھر ایک دن اچانک مصر پر ترکوں نے چڑھائی کر دی۔ ان ترکوں کا سربراہ سلطان سلیم بن سلطان بایزید ثانی تھا اور یہ عثمانی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس وقت مصر کا فرماں روا سلطان طوفان بائے تھا۔ اس نے کافی مزاحمت کی مگر سلطان سلیم کے آگے اُس کی ایک نہ چلی۔۔۔۔ سلطان سلیم نے اسے گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دیا۔''

''تو دادا جان اُس وقت کے خلیفہ کا کیا بنا؟ مطلب بادشاہ علیحدہ ہوتا تھا اور خلیفہ الگ۔۔۔ تو بادشاہ سولی پہ چڑھا دیا گیا تو خلیفہ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟'' عمر نے پوچھا۔

''بیٹا اس وقت کا خلیفہ متوکل علی اللہ ثالث تھا۔ جو عباسی خاندن کا آخری خلیفہ ثابت ہوا۔ ۲۴ رجب ۹۲۴ ھجری کو جامع مسجد آیا صوفیہ میں اس نے تمام تر خلافتی امور اور تبرکات نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سلطان سلیم کے حوالے کر دیئے اور یوں خلافت عباسی خاندان سے عثمانی خاندان میں منتقل ہو گئی۔ اور سلطان سلیم کو خلافت سے سرفراز کر دیا گیا۔''

''گویا سلطان سلیم خلافتِ عثمانیہ کا پہلا خلیفہ تھا۔'' عائشہ بولی۔

''ہاں۔۔۔! چلو اب جا کے سو جاؤ باقی گفتگو کل ہو گی۔'' دادا جان مسکراتے ہوئے بولے۔

''اچھا دادا جان!'' عمر بولا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''عائشہ بھی پلنگ پر سے اٹھی اور پھر وہ دونوں شب بخیر کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔ (جاری ہے)

مقدر کی روزی

محمد بن شاھد ۔ سرگودھا

''اُف اللہ'' اچانک گاڑی نے ایک زوردار بریک لگائی تو شازیہ کے منہ سے نکلا۔'' کک ۔۔۔۔ کک ۔۔۔ کیوں ۔۔۔ کیا ہوا؟'' اُس نے خاوند سے پوچھا۔

'' گاڑی کتے سے ٹکرا گئی تھی۔ اس لیے بریک لگانا پڑی ۔۔۔!'' احمد علی نے جواب دیا۔

'' اُف ۔۔۔ توبہ ۔۔۔ توبہ ۔۔۔ آپ نے تو اس قدر زوردار بریک لگائی کہ میرا سر چکرا کر رہ گیا''۔ شازیہ سر پکڑتے ہوئے بولی۔'' ویسے آپ نیچے اُتر کر دیکھ لیں۔ بے چارے کتے کو کہیں سخت چوٹ نہ لگی ہو''۔ اُس نے کتے سے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

'' اب چھوڑو بیگم۔ کچھ نہیں ہوسکتا ۔۔۔! ہم کافی آگے آ گئے ہیں ۔۔۔! یا تو وہ کتا کچلا گیا ہوگا یا پھر اچھل کر جان بچا گیا ہوگا ۔۔۔!'' احمد علی نے ڈیش بورڈ پر سے سگریٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

'' چچ ۔۔۔ چچ ۔۔۔! ویسے جس طرح آپ نے بریک لگائی۔ اس طرح تو بے چارے کا کچومر نکل جانا چاہیے تھا'' شازیہ نے تاسف سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

'' اب کیا کیا جاسکتا ہے؟'' احمد علی نے کندھے اچکائے اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

یہ تینوں میاں بیوی ایک دعوت سے واپس آ رہے تھے۔ چوں کہ دعوت میں کچھ تاخیر ہوگئی تھی لہذا انہیں رات کا سفر کرنا پڑا۔ میزبان نے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر احمد علی نے یہ عذر پیش کیا کہ دوسرے دن صبح سویرے آفس کے لیے نکلنا ہے۔ چناں چہ شازیہ بادل نخواستہ تیار ہوگئی۔ اب وہ راستے میں تھے کہ یہ حادثہ پیش آ گیا۔

'' مجھے چائے کی طلب ہو رہی ہے۔ نزدیک کوئی اچھا ہوٹل ملتا ہے تو رُک جاتے ہیں'' احمد علی نے ہاتھ ہلائے۔

'' جیسے آپ بہتر سمجھیں ۔۔۔!'' شازیہ نے جواب دیا۔

'' ارے! یہاں اتنی چیونٹیاں کیوں جمع ہیں؟'' احمد علی نے جیسے ہی گاڑی ایک چائے خانے کے سامنے روکی۔ شازیہ حیرت سے بول پڑی۔

'' لگتا ہے کوئی ہڈیاں یا چھیچھڑے وغیرہ پڑے ہوں گے۔'' احمد علی کندھے اچکا کر بولا۔

''ہاں۔۔۔شاید۔۔۔!''شازیہ بولی۔

''ارے! یہ دیکھوتو۔۔۔۔! احمد علی نے نمبر پلیٹ کے اوپری چیمبر کی طرف اشارہ کیا۔وہاں تنگ جگہ پر ایک کتا دبکا ہوا تھا۔

''دیکھ رہی ہوشازیہ! یہ وہی کتا ہے۔خدا نے اِسے محفوظ رکھا۔''احمد علی بول رہا تھا کہ کتے نے وہاں سے چھلانگ لگا دیا اور ان چھچھڑوں پر پل پڑا۔شازیہ مسکرائی۔

''ہاں بالکل۔۔۔کیوں کہ اس کے مقدر کی روزی اِس چائے خانے کے پاس لکھی ہوئی تھی۔واقعی ۔۔۔! خدا نے جس کا رزق جہاں لکھا ہے اس کو وہاں ملتا ہے''۔احمد علی بولا اور دونوں سر ہلاتے اندر داخل ہو گئے۔

دلچسپ و عجیب

محمد فرحان ۔ چکڑالہ

۱) چلی میں مرغیاں نیلے انڈے دیتی ہیں۔

۲) یاک وہ واحد جانور جس کے دودھ کا رنگ گلابی ہوتا ہے۔

۳) مگرمچھ کا ہاضمہ اتنی قوی ہوتا ہے کہ وہ چھ انچ کا لوہا بھی ہضم کرسکتا ہے۔

۴) شمالی امریکا میں ایک ایسا سانپ پایا جاتا ہے جِسے پکڑنا بے مشکل ہے۔کیوں کہ وہ شیشے کا بنا ہوا ہے اور ذرا سا چھونے پر کانچ کی طرح ٹکرے ٹکرے ہو جاتا ہے۔

تحریر ارسال کرنے سے قبل اطمینان کرلیں کہ

☆تحریر ایک سطر چھوڑ کر لکھی گئی ہے۔

☆تحریر آپ نے خود لکھی ہے یا اگر کہیں سے اقتباس لیا ہے تو اس کا حوالہ بھی درج کیا ہے۔

☆تحریر آسان اور سلیس زبان میں ہے۔گنجلک اور پیچیدہ الفاظ کا استعمال کم سے کم ہے۔

☆تحریر خوش خط یا کم از کم صاف خط میں لکھی گئی ہے۔

☆ آپ نے اپنا نام اور پتہ واضح طور پہ درج کیا ہے۔ایک سے زیادہ تحریریں ارسال کرنے کی صورت میں ہر تحریر پر نام اور پتہ درج ہے۔

☆ آپ کی تحریر کسی قسم کے متنازعہ اور اختلافی موضوع پر نہیں ہے۔

☆تحریر کا مقصد اللہ رب العزت کی خوشنودی، دین اور علم و حکمت کی خدمت اور انسانیت کی فلاح و بہبود ہے۔

مجلہ "قلم کا سفر" لاوہ کا منفرد خاص نمبر

خواب نمبر

جس میں انشاءاللہ یہ تحاریر شامل ہوں گی:

1-ھادی عالم ﷺ کا ایک انوکھا خواب۔---

2-تعبیر کی دینی،نفسیاتی،فلسفیانہ اور سائنسی حیثیت اور فنِ تعبیر میں مسلمانوں کی پیش رفت

3-کامیاب شخصیات کے کیا خواب ہوتے ہیں؟------دلچسپ جگ بیتیاں

4-ہمارے خواب کس قسم کے ہونے چاہیں۔۔؟------دلوں کو جھنجوڑتے مضامین---

5 ہم خواب کیوں دیکھتے ہیں؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔قران وحدیث کی روشنی میں۔۔۔۔

6-ہم خواب کیوں دیکھتے ہیں؟---ایک حیرت انگیز سائنسی تحقیق----

7-"مشرقی خواب"----مونس اختر کی ایک "خوابیدہ" مگر شگفتہ تحریر---

8-"خواب چور"---اس کے خواب کون چوری کرتا تھا؟---بچوں کے معروف ادیب "محمد ریاست" کے قلم سے----

9-آنکھیں بھگوتی "فوزیہ خلیل-کراچی" کی بہترین کہانی---

10-پوری دنیا میں تہلکہ مچادینے والی "مارٹن لوتھر کنگ" کی اس تقریر کا اردو ترجمہ جس کا عنوان ہے------"میرا ایک خواب ہے؟---

11-خوابوں پر "ابوالحسین آزاد" کی بہترین نظم-------

12-نیند طاری کر دینے والا "سرِ ورق"، "خواب زدہ" سیلِ رواں اور تلقین"، اونگھتی "پہیلیاں"، آنکھیں ملتے "واقعات"، ہچکولے لیتے "لطیفے"

13-خواب کے مختلف مفہوموں سے آشنا کرواتی مزے دار کہانیاں۔۔

---اور وہ سب کچھ جسے پڑھ کر آپ شدت سے خواب دیکھنے کی خواہش محسوس کریں گے-----آرہا ہے مجلّہ "قلم کا سفر" لاوہ خواب نمبر "مئی "2019 میں پیشگی بکنگ کے لیے---

رابطہ نمبر: 03164074423،03345679447

خط وکتابت: مولانا عبدالواحد نزد کھجّی والی مسجد، ڈاکخانہ خاص لاوہ، ضلع چکوال